والدین

میری جنت، میری دوزخ

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

والدین

میری جنت، میری دوزخ

والدین

میری جنت، میری دوزخ

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب : والدین میری جنت، میری دوزخ

مصنفہ : نگہت ہاشمی

طبع اول : نومبر 2006ء

طبع دوم : مئی 2017ء

تعداد : 2000

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : 36J گلبرگ III فردوس مارکیٹ لاہور

: 102H گلبرگ III فردوس مارکیٹ لاہور

فون نمبر : 0336-4033045, 042-35881169, 042-35851301

کراچی : گراؤنڈ فلور کراچی بیچ ریذیڈنسی، نزد بلال ہاؤس، کلفٹن، بلاک 2، کراچی

فون نمبر : 0336-4033034, 021-35292341-42

فیصل آباد : 121A فیصل ٹاؤن ویسٹ کینال روڈ، فیصل آباد

فون نمبر : 0336-4033050, 041-8759191

ای میل : sales@alnoorpk.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

فیس بک : Nighat Hashmi

Alnoor international

ابتدائیہ

''ایک سہارا انسان کو نظر آتا ہے، ایک رشتہ محبت بھرا، خلوص بھرا جہاں پر انسان کو بے یقینی نہیں ہوتی، کوئی شک نہیں ہوتا کیونکہ آنکھ کھولتے ہی یہ شفیق چہرے دیکھے تھے، ان کی نظروں میں محبت تھی، آنکھ کھولنے سے لے کر شعور کی آنکھ کھلنے تک، حیات ملنے سے لے کر سمجھدار [mature] ہونے تک ہمیشہ ہر قدم پر انہیں اپنے لیے مخلص پایا۔ ان کی محنت، ان کی کوشش، کاوش، ان کی خدمت، ان کی محبت، ان کا ایثار، ان کی قربانیاں، ان کا تعاون، ہر چیز انسان تجربہ کرتا ہے، کسی کو سمجھانے کی ضرورت نہیں، فطرت کی آواز ہے، اندر سے انسان اس احسان کو محسوس کرتا ہے۔

اللہ رب العزت اپنے پاک کلام میں فرماتے ہیں:

﴿هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ﴾

نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔ [الرحمٰن:60]

سو ان کی محبتوں کا جواب محبت سے دینا ہے، ان کا ویسا ہی خیال رکھنا ہے جیسا انہوں نے بچپن میں ہمیں پالا تھا لیکن کیا واقعی ایسا ہوتا ہے؟ 'والدین--- میری جنت، میری دوزخ' لیکچر کے دوران استاذہ نگہت ہاشمی کے یہ جملے والدین کے دکھ بھرے جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

”کہیں آپ کے گھر میں آپ کے والدین اس حال میں تو نہیں کہ وہ یہ محسوس کرتے ہوں کہ

ہم سے کوئی محبت کرنے والا نہیں۔

ہماری طرف کسی کی محبت بھری نظر نہیں اٹھتی۔

ہمارے ساتھ بیٹھ کے کوئی اپنے بچپن کی باتیں کرنے والا نہیں۔

ہمارے ساتھ کوئی دکھ سکھ بانٹنے والا نہیں۔

ہمارے رشتوں کی، ہمارے تعلقات کی کوئی بات کرنے والا نہیں۔

ہم سے کوئی ہمارے رب کی بات کرنے والا نہیں۔“

استاذہ نے انتہائی نازک اور اہم موضوع پر بات کی ہے جس پر تو باقاعدہ کام کرنے کی ضرورت ہے اور خاص طور سے نئی نسل کے کانوں اور آنکھوں تک اس پیغام کا پہنچنا انتہائی ضروری ہے تاکہ زندگی ملنے کی صورت میں انسان کے بڑھاپے کو اور نہ ملنے کی صورت میں اس کی عاقبت کو محفوظ کیا جاسکے۔

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

آیئے! اصلاح کا یہ پیغام لے کر اٹھیں اور کسی دل کو اس کے اثرات سے محروم نہ رہنے دیں۔ پہنچانا ہمارا فرض ہے اور ہدایت دینا اللہ رب العزت کا کام۔ آج سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، ٹیوشن اکیڈمیز اور کمپیوٹر سینٹرز میں کتنی بڑی تعداد میں والدین کے حقوق میں کمی کرنے والے افراد موجود ہیں۔ ان پلیٹ فارمز تک یہ کتابیں پہنچا کر انسانیت کی بہت بڑی خدمت کی جاسکتی ہے۔ آپ کی مفید آراء کا انتظار رہے گا۔

دعوہ سیکشن

النور انٹرنیشنل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ اِحۡسٰنًا ؕ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا وَّوَضَعَتۡهُ
كُرۡهًا ؕ وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرۡبَعِيۡنَ
سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِىۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَىَّ وَعَلٰى
وَالِدَىَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰهُ وَاَصۡلِحۡ لِىۡ فِىۡ ذُرِّيَّتِىۡ ؕۚ اِنِّىۡ تُبۡتُ
اِلَيۡكَ وَاِنِّىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ اَحۡسَنَ
مَا عَمِلُوۡا وَنَتَجَاوَزُ عَنۡ سَيِّاٰتِهِمۡ فِىۡۤ اَصۡحٰبِ الۡجَـنَّةِ ؕ وَعۡدَ الصِّدۡقِ
الَّذِىۡ كَانُوۡا يُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِىۡ قَالَ لِوَالِدَيۡهِ اُفٍّ لَّـكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِىۡۤ اَنۡ
اُخۡرَجَ وَقَدۡ خَلَتِ الۡقُرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلِىۡ ۚ وَهُمَا يَسۡتَغِيۡثٰنِ اللّٰهَ وَيۡلَكَ اٰمِنۡ
ق صلے اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَـقُوۡلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۷﴾
اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ حَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ فِىۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ
الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا خٰسِرِيۡنَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا ۚ
وَلِيُوَفِّيَهُمۡ اَعۡمَالَهُمۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَيَوۡمَ يُعۡرَضُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
عَلَى النَّارِ ؕ اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا ۚ فَالۡيَوۡمَ
تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ
وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَفۡسُقُوۡنَ ﴿۲۰﴾﴾

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، اُس کی ماں نے ناگواری کی حالت میں اس کو پیٹ میں رکھا اور ناگواری کی حالت میں ہی اس کو جنم دیا اور اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس ماہ کا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا، اُس نے کہا ''اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اُس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمائی اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے لیے میری اولاد کی اصلاح کر دے، بلاشبہ میں نے تیری طرف توبہ کی اور یقیناً میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (15) یہی لوگ ہیں ہم ان سے سب سے اچھے عمل قبول کرتے ہیں جو انہوں نے کیے اور اُن کی برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں، جنت والوں میں (ہوں گے)، سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے کیا جاتا تھا۔ (16) اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: ''تم پر افسوس ہے، کیا تم دونوں مجھے یہی دھمکی دیتے رہتے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا؟ حالانکہ مجھ سے پہلے بھی قومیں گزر چکی ہیں'' اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ ''تیری بربادی ہو! ایمان لے آ، اللہ تعالیٰ کا وعدہ بلاشبہ سچا ہے۔'' تو وہ کہتا ہے: ''یہ تو پہلے لوگوں کے فرضی قصوں کے سوا کچھ نہیں۔'' (17) یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی بات ثابت ہو چکی، جن وانس کے ان گروہوں میں جو ان سے قبل گزر چکے ہیں، یقیناً وہ خسارہ پانے والے تھے۔ (18) اور ہر ایک کے لیے درجات ہوں گے ان کے اعمال کے لحاظ سے جو انہوں نے کیے اور تاکہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (19) اور جس دن کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، تم اپنی نیکیاں اپنی دنیا کی زندگی میں

لے چکے اوران سے فائدہ اُٹھا چکے، چنانچہ آج تمھیں توہین کے عذاب کا بدلہ دیا جائے گا اس وجہ سے کہ تم ناحق زمین میں تکبر کیا کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔(20)۔'' [سورۃ الاحقاف]

بات ہے اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد سب سے بڑے حق کی، اس دھرتی پر جس کا حق سب سے بڑا ہے وہ والدین ہیں۔ان والدین کے حوالے سے رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ﴾

''اور ہم نے انسان کو وصیت کی''

وصیت کے بارے میں ہم نے الفاظ کی وضاحت میں دیکھا کہ ایسی نصیحت ہے جو کوئی انتہائی خیرخواہ کسی خاص موقع پہ دوسروں کے لیے کرتا ہے اور عام طور پر جو وصیت انسان کرتے ہیں تو یوں کہ کوئی جہان سے جانے والا اپنے پیچھے اپنی اولاد اور باقی لوگوں کے لیے وصیت کرتا ہے۔اس سے اس لفظ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے جو والدین کے حقوق کے حوالے سے یہاں پر ہمیں نظر آتا ہے۔رب العزت نے فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ﴾

''اور ہم نے انسان کو وصیت کی''

یہ ہم ہیں، تمہارے خالق جس کے قبضے میں تمہاری جان ہے۔
جس نے تم کو طریقہ زندگی دیا۔

جس نے تمہاری جان لینی ہے۔
جس نے تم سے حساب لینا ہے۔

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ﴾
''اور ہم نے انسان کو وصیت کی''

یہ ہماری وصیت ہے، اس کو ایسے ہی معمولی بات نہ سمجھ لینا کہ جی چاہا تو مان لیں گے اور نہ جی چاہا تو نہیں مانیں گے۔
یہ کوئی سفارش نہیں ہے۔ سفارشات میں گنجائش موجود ہوتی ہے، اختیار ہوتا ہے، چاہیں تو مان لیں اور نہ چاہیں تو نہ مانیں۔
یہ کیسی وصیت ہے؟۔۔۔ حکم [order] ہے۔ فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ﴾
''اور ہم نے انسان کو وصیت کی''

کس بات کی؟

﴿بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا﴾
''اپنے والدین کے ساتھ احسان کرنے کی (والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی)۔''

دنیا میں انسان جس کا سب سے زیادہ حق محسوس کر سکتا ہے وہ والدین ہیں۔ بچپن میں دیکھئے: چھوٹی بڑی ہر ضرورت، کھانے پینے کی، رہنے سہنے کی، پہننے اوڑھنے کی، ہر جذباتی

ضرورت پوری کرنے اور ہر قسم کی تکلیف دور کرنے کے لیے کس کی طرف لپکتے ہیں؟۔۔۔ والدین کی طرف۔

کسی سے دکھ پہنچا تو والدین کے پاس۔

کسی نے کوئی ظلم کیا، زیادتی کی تو والدین کے پاس۔

ایک سہارا انسان کو نظر آتا ہے، ایک رشتہ محبت بھرا، خلوص بھرا جہاں پر انسان کو بے یقینی نہیں ہوتی، کوئی شک نہیں ہوتا کیونکہ آنکھ کھولتے ہی یہ شفیق چہرے دیکھے تھے، ان کی نظروں میں محبت تھی، آنکھ کھولنے سے لے کر شعور کی آنکھ کھلنے تک، حیات ملنے سے لے کر سمجھ دار [mature] ہونے تک ہمیشہ ہر قدم پر انہیں اپنے لیے مخلص پایا۔ ان کی محنت، ان کی کوشش، کاوش، ان کی خدمت، ان کی محبت، ان کا ایثار، ان کی قربانیاں، ان کا تعاون، ہر چیز انسان تجربہ کرتا ہے، کسی کو سمجھانے کی ضرورت نہیں، فطرت کی آواز ہے، اندر سے انسان اس احسان کو محسوس کرتا ہے۔

کبھی کسی ماں کی گود میں ہمکتے چھ ماہ کے بچے کو دیکھیں، ایک سال کے بچے کو دیکھیں۔ اس کو بھی اتنا پتہ لگ جاتا ہے، وہ کسی کی گود میں ہو لپک کر ماں کی طرف جاتا ہے کیونکہ اسے اس کا شفیق چہرہ ہمیشہ اپنے لیے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل محسوس ہوتا ہے۔ وہاں سے محبت بھی ملتی ہے، ضرورت بھی پوری ہوتی ہے، دکھ بھی دور ہوتے ہیں۔ ابھی اس نے زبان سے کچھ کہنا نہیں سیکھا لیکن وہ چہرے ایسے ہیں

جو اس کی بے زبانی کو سمجھتے ہیں۔

جو اس کی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔

جو اس کو رونے نہیں دینا چاہتے۔

جو اس کی مسکراہٹ پر خوش ہوتے ہیں۔

جو اس کی نظروں کو سمجھتے ہیں۔

جو اس کے کسمسانے کو سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان چہروں کے لیے، ان والدین کے لیے وصیت کی:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ﴾

''اور ہم نے انسان کو وصیت کی''

رب العزت فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ حکم دیا ہے۔

انسان کو کس چیز کا حکم ہے؟

﴿بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا﴾

''اپنے والدین کے ساتھ احسان کرنا۔''

اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا کہ یہ تمہاری طرف سے جواب ہے۔ یہ تو تمہاری انسانیت کا ثبوت ہے، پہلا ثبوت کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔ ہم نے پہلے بھی دیکھا کہ قرآنِ پاک میں کتنے ہی مقامات پر والدین کے حقوق کی رب نے کیسے حفاظت کی ہے؟ مثال کے طور پر سورۃ بنی اسرائیل میں دیکھیے:

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (۲۳) وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا

رَبَّيٰنِيۡ صَغِيۡرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِيۡ نُفُوۡسِكُمۡ ؕ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا صٰلِحِيۡنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلۡاَوَّابِيۡنَ غَفُوۡرًا ﴿۲۵﴾

''اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان دونوں کو ''اُف'' تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو اور ان سے عزت والی بات کرو۔ (23) اور ان کے لیے تواضع کا بازو رحم دلی سے جھکائے رکھو اور کہو کہ اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے اُنہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔ (24) تمہارا رب زیادہ جاننے والا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیک ہوئے تو یقیناً وہ ہمیشہ سے بار بار رجوع کرنے والوں کے لیے بے حد بخشنے والا ہے۔ (25)'' [بنی اسرائیل]

یہ ہے اسلام!

سچا دین، فطرت کے عین مطابق۔

اسلام پہلے رشتے کو مضبوط کرتا ہے کہ

جنہوں نے تمہاری خاطر دکھ کاٹے ہیں۔

جنہوں نے تمہاری پرورش کی ہے۔

جنہوں نے تمہاری خدمت کی ہے۔

جنہوں نے تم پر احسان کیا ہے۔

تم بھی ان کے ساتھ احسان کرنا۔

اور اگر وہ بوڑھے ہو جائیں تو

ان کے آگے اُف تک نہیں کہنا۔

جنہوں نے اپنی جوانی تمہاری خاطر جلائی، تمہیں جوان کرتے کرتے بڑھاپے کو گلے سے لگایا، تم نے ان کے آگے اُف تک نہیں کہنا، انہیں ڈانٹنا ڈپٹنا نہیں ہے۔ جب تمہیں قوت مل جائے تو اس قوت کے استعمال کا موقع تمہارے والدین نہیں ہیں کہ اب تم اپنی زبان سے اپنی اس قوت کا اظہار کرو، جب یہ زبان نہیں کھلی تھی اس وقت کو یاد کرو، تمہیں ان شفیق ہستیوں نے کیسے پالا تھا؟ ان کے پاس قوت تھی، تب وہ جوان تھے، تب وہ تم پر برس سکتے تھے، تب وہ تمہیں بے یارومددگار چھوڑ سکتے تھے لیکن انہوں نے تمہارے ساتھ محبت سے بات کی، محبت سے تمہیں چھوا، محبت سے تمہاری ضروریات پوری کیں، ہر طریقے سے تمہیں پروان چڑھانے کے لیے قربانیاں دیں، اس لیے اب انہیں ڈانٹنا نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ ادب اور احترام سے بات چیت کرنی ہے۔

یہ اسلام ہے۔

والدین کا ادب سکھانے والا۔

احترام سکھانے والا۔

انسانی رشتوں کو عزت اور وقار دینے والا۔

عاجزی اور محبت کے ساتھ

ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھنے کا حکم دینے والا۔

وہ قوت رکھنے والا ربّ فرماتا ہے: عاجز ہو جاؤ، قوت یہاں نہیں دکھانی، عاجزی چاہیے، انکساری چاہیے۔ جھک جاؤ کیونکہ انہوں نے تمہاری بڑی خدمت کی ہے، تم پر بڑے احسانات کیے ہیں، تمہارا بہت خیال رکھا ہے۔ تم اتنی قوت نہیں پا سکتے تھے اگر یہ شفیق ہستیاں تمہاری مددگار نہ ہوتیں، اس لیے ان کے لیے دعا کرتے رہنا، ڈانٹنا نہیں، دعا کرنی

ہے۔

﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴾(بنی اسرائیل:24)

اور کہو کہ اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے اُنہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔

دعا کس بات کی کہ یا اللہ! میرا وجود آپ نے ان کے ساتھ جوڑا تھا، انہوں نے میری پرورش کی، اے میرے اللہ! ان پر اپنی رحمت کر دینا۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے ذریعے سے رشتہ کہاں جوڑا ہے؟

ربّ کے ساتھ۔

آپ دیکھیں کیسے ایک کے ساتھ ایک موتی جڑا ہوا ہے۔ جو والدین کا حق شناس ہے وہی اللہ تعالیٰ کا حق شناس ہے، اللہ تعالیٰ کا بھی احسان پہچاننے والا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ﴾(بنی اسرائیل:25)

"جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تمہارا رب خوب جانتا ہے"۔

یعنی تمہارے دل کے اندر کوئی خرابی ہے، کوئی تم نے بغض پال رکھا ہے، کوئی کینہ ہے، بدگمانی ہے، کچھ بھی، والدین کے بارے میں برا سوچا تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے، جن کو زبان سے برا نہیں کہنا، ان کے بارے میں برا سوچنا بھی نہیں۔ انسان حسنِ سلوک کر ہی نہیں سکتا بدگمانیوں کے ساتھ، اس لیے اللہ ربّ العزت نے حکم دیا کہ بدگمان نہیں ہونا، ان کے بارے میں اپنے ذہن میں کچھ بھی برا نہیں سوچنا۔

پھر فرمایا:

﴿اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا﴾

(بنی اسرائیل:25)

''اگر تم نیک ہو تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے''۔

یہ بڑی نیکی ہے، انسانی رشتوں میں سے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔

والدین کی طرف رجوع کرنا درحقیقت ربّ کی طرف رجوع کرنا ہے، والدین کی خدمت کرنا دراصل رب کی خدمت کرنا ہے تو اگر تم رب کی طرف رجوع کروگے، نیک بنوگے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔

اس سے ہمیں اسلام کے مزاج کا پتہ چلتا ہے کہ اسلام والدین کے ساتھ کیسا طرزِ عمل چاہتا ہے۔ اسی طرح سورہ لقمان میں ہم نے یہی وصیت دیکھی تھی، رب العزت نے فرمایا:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ (۱۴) وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۵) ﴾

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں وصیت کی، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے اٹھایا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی، میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔(14) اور اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی کو شریک کرے جس کا تجھے علم بھی نہیں پھر اُن دونوں کی اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں اُن دونوں کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو

اور اُس کے راستے پر چلو جس نے میری طرف رجوع کیا، پھر میری
طرف ہی تمہارا پلٹنا ہے تو میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم عمل کیا کرتے
تھے۔" [لقمان:14-15]

سورہ لقمان کی ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ والدین سے اللہ تعالی نے حسنِ سلوک کی وصیت کی ہے۔ ماں باپ نے جو دکھ اٹھائے اور خاص طور پر ماں نے، اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ پھر یہ حکم دیا ہے کہ تم میرے اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کرو کیونکہ تمہیں میری طرف لوٹ کے آنا ہے لیکن ساتھ میں وضاحت کر دی کہ اگر وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو شریک بنانے کا، جس کا تمہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اور رسول ﷺ کی ہدایت سے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔

آج جتنے لوگ والدین کی خدمت کا علم (جھنڈا) اٹھائے ہوئے ہیں انہیں والدین کی خدمت کی بات تو یاد رہتی ہے، ان کا حکم ماننے والی بات یاد رہتی ہے لیکن سورۃ لقمان کی یہ نصیحت یاد نہیں رہتی جس کی وجہ سے ایک متوازن تصوّر نہیں بنتا۔ یہ اسلام کا ایک متوازن تصور ہے کہ اگر والدین اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانا چاہیں اور شریک کون ہوتا ہے؟

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی ماننے کے لیے کہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کے لیے جھکانا چاہیں۔

کسی اور کی پرستش کے لیے، کسی اور کی غلامی کے لیے مجبور کرنا چاہیں

تو

ربّ العزت نے فرمایا کہ پھر ان کی بات نہیں ماننی۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اس حوالے سے فرمایا:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ [صحیح بخاری: 7520]

''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے''۔

پھر جو لوگ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ والدین کی اطاعت کا ایک دائرہ کار ہے تو اگر والدین نے کسی ایک بات پر اللہ تعالیٰ کی بات کے علاوہ کسی اور کی ماننے کے لیے کہا تو ان کی سب باتوں کو اسی میں شمار کر لیتے ہیں، پھر ان کی کوئی بھی بات نہیں مانتے۔ یہ بات درست نہیں ہے، جو بات غلط ہے وہ نہیں ماننی لیکن ہر صحیح بات مانی جائے گی۔ پھر جو لوگ اطاعت میں کمی کرتے ہیں، حسنِ سلوک میں بھی واضح طور پر کمی کرتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

﴿وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا﴾ (لقمان: 15)

''اور دنیا میں اُن دونوں کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو''۔

یعنی دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، یہ ذمہ داری ہے اولاد کی، چاہے والدین اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے والے ہی کیوں نہ ہوں لیکن پھر ایک سوال انسان کے ذہن میں آتا ہے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ وہ نہیں یہ طریقہ اختیار کرو، پھر کیا کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں یہ فرما دیا:

﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

اور اُس کے راستے پر چلو جس نے میری طرف رجوع کیا، پھر میری طرف ہی تمہارا پلٹنا ہے تو میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے''۔ [لقمان: 15]

یعنی تم نے میرے پاس آنا ہے، تم نے بھی اور تمہارے والدین نے بھی۔ اس لیے تم

نے وہ کام کرنا ہے جو میری اطاعت کے مطابق ہے۔

اب یہاں سورۃ الاحقاف میں رب نے حکم دیا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا﴾

''ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرے''۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا رب نے کیوں حکم دیا؟

اس لیے کہ اس کی وجوہات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے Reasoning کی ہے، دلائل دیے ہیں۔

پہلی وجہ بتائی ہے:

﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا﴾

''اس (ماں) نے مشقت اٹھا کر اس کو اپنے پیٹ میں رکھا''۔

دوسری وجہ کیا ہے؟

﴿وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾

''مشقت اٹھا کر اسے جنا''۔

تیسری وجہ کیا ہے؟

﴿وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾

''اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے''۔

پھر چوتھی وجہ کیا ہے؟

﴿حَتّٰی اِذَا بَلَغَ﴾

’’اس کے بڑے ہونے تک‘‘۔

جوان ہونے تک والدین کتنی مشقت کاٹتے ہیں!

ان چار باتوں کو بنیاد بنا کر رب یہ کہتا ہے:

﴿وَوَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡهِ اِحۡسٰنًا﴾

’’ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے‘‘۔

یہ وصیت انسانیت کی بنیاد پر ہے۔اس کے لیے انسان کے علاوہ کسی دوسری صفت کونہیں لایا گیا یعنی محض ایمان والوں کو وصیت نہیں ہے۔فرمایا:

﴿وَوَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ﴾

’’اور ہم نے انسان کو وصیت کی‘‘

ایک ہی آیت کے اندر جس دوسری چیز کی طرف توجہ دی گئی ہے وہ احسان ہے۔اس کے ساتھ بھی کوئی شرط نہیں رکھی گئی جیسے کہا گیا کہ اگر آپ انسان ہو تو اپنی انسانیت کے ثبوت کے لیے اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کروگے۔ایسے ہی احسان کے ساتھ بھی کوئی قید، کوئی شرط نہیں ہے۔

مثال کے طور پر اگر دیکھیں تو عام طور پر لوگ والدین کی خدمت کیوں نہیں کرتے؟

خیال کیوں نہیں رکھتے؟۔۔۔کوئی نہ کوئی عذر تراشا ہوا ہے کہ انہوں نے ہماری صحیح پرورش نہیں کی اور میری فلاں بہن یا بھائی کو اس کے حق سے زیادہ دیا، اس کی تعلیم پر زیادہ اخراجات کیے، اس طرح سے کچھ اور باتیں بھی۔

کل ایک بچی مجھے ملی اور اس نے مجھے یہ کہا کہ میرے والد نے میری ماں کو اس وقت چھوڑ دیا تھا جب میں ان کے پیٹ میں تھی اور میرے باپ نے میری شکل تک نہیں دیکھی۔ کیا پھر بھی میں اپنے والد کے ساتھ حسنِ سلوک کروں گی؟ میں نے کہا بالکل! اس لیے کہ والد کا صرف والد ہونا اس کے ساتھ احسان کو فرض کرتا ہے اور کوئی صفت نہیں، باپ کچھ نہیں کرتا تب بھی حسنِ سلوک ہوگا، اس کے بارے میں جتنی بھی باتیں ذہن میں ہیں کہ بڑے مظالم توڑے، یہ ہوا، وہ ہوا، جو بھی ہوا اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟

﴿وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ اِحۡسٰنًا﴾

''ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔''

غور کیجیے گا کہ وصیت کون کر رہا ہے؟

جو انسان کا خالق ہے۔

جس نے انسان کو بنایا ہے۔

جو انسان کا مالک ہے۔

جو انسان کو رزق دینے والا ہے۔

یہ وصیت جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو کی، آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے کسی اور مخلوق کو بھی کی؟ مثلاً اللہ تعالیٰ نے شیروں کو یہ ہدایت کی ہو کہ آپ اپنے والدین کے ساتھ

حسنِ سلوک کرو، یا گیدڑوں کو یہ وصیت کی ہو، یا عقاب کو کی ہو، یا کسی مچھلی کو کی ہو، یا کسی کیڑے کو کی ہو، یا اس کے علاوہ کسی اور مخلوق کو؟ کسی بھی مخلوق کو دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ﴾

اللہ تعالیٰ نے عقل رکھنے والی مخلوق کو وصیت کی۔ یہ وصیت خاص انسان کے لیے ہے کیونکہ وہ شعور رکھتا ہے، وہ سوچ سکتا ہے۔ یہ انسان کے ساتھ خاص ہے۔ اور والدین انسان کے لیے سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

آپ ایک اور زاویے سے دیکھئے گا، اولاد کو وصیت کی جاتی ہے والدین سے حسنِ سلوک کی، کیا والدین کو بھی وصیت کی ہے کہ اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔ والدین کو نہیں کہا جاتا پھر بھی وہ حسنِ سلوک کرتے ہیں۔

سوچئے! والدین پر کوئی پابندی ہے؟

کوئی دستخط کرواتا ہے؟

کہ آپ نے اس بچے کو اپنے پیٹ میں رکھنا ہے۔

پھر وہ بچہ پیدا ہو جائے تو اسے دودھ پلانا ہے، اس کا خیال رکھنا ہے۔

یہ روئے تو اس کو جواب دینا ہے اور اس کی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔

والدین کی فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر یہ جذبہ رکھ دیا خاص طور پر ماں کے اندر، ممتا کے ایسے جذبات ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے بچے کی خدمت کرتی ہے اور والد کماتا ہے۔ اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک کی بہت کم کہیں تلقین ملتی ہے، اس لیے کہ بچے کی پرورش کرنا والدین کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا اور ان سے کوئی کہے یا نہ کہے، اپنے بچوں کی

پرورش کرنے کے لیے وہ خود ہمہ تن مصروفِ عمل رہتے ہیں، خود سے خود۔ اس کام کے لیے انہیں ترغیب دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ دیکھیں مائیں گلہ کرتی ہیں کہ ہماری بچیاں بڑی غیر ذمہ دار ہیں، انہیں ہمارا ذرا خیال نہیں اور یہ کہ بڑی لاپرواہ ہیں۔ اسی بچی کی جب شادی ہو جاتی ہے اور اس کا بچہ ہوتا ہے تو وہ ذرا لاپرواہ نہیں رہتی۔ ایک طرف والدین کے بارے میں لاپرواہی ہے لیکن اپنے بچے کے بارے میں کتنا محتاط ہو جاتی ہے۔ پھر سوچیے! وہ کھلنڈرا سا بچہ کیسے محتاط ہو جاتا ہے؟ کل تک اسے کمانے سے اتنی دلچسپی نہیں تھی لیکن اب اپنے بچے کی وجہ سے اس کی سوچ بدل جاتی ہے، میچور ہو جاتی ہے۔

یہ وہ چیز ہے جو ہمیں پتہ چلتی ہے کہ انسان کی فطرت میں ہے۔ والدین تو اپنی اولاد کی خدمت کرتے ہی ہیں لیکن اولاد اپنے والدین کی ویسی خدمت نہیں کرتی کیونکہ یہ تو شعوری طور پر ہو سکتی ہے۔ بچے کی خدمت شعور کے ساتھ ہوتی ہے، اندر سے ایک جذبہ ابھرتا ہے اور والدین بچوں کی خدمت کے لیے مصروفِ عمل ہو جاتے ہیں۔ آپ دیکھیں اس شہر یا اس ملک یا اس دنیا میں ماں باپ کی ٹریننگ کے لیے کتنی کلاسز ہوتی ہیں کہ جب بچہ پیدا ہو گا تو آپ نے اس کے لینچوراک کا انتظام کرنا ہے، تعلیم کا انتظام کرنا ہے یا ان کے کپڑوں کا انتظام کرنا ہے، جن حالات میں بھی والدین رہتے ہیں اپنے سے زیادہ اچھا سلوک اپنے بچوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔

اپنے سے زیادہ اچھی خوراک۔

اپنے سے زیادہ اچھا لباس۔

اپنے سے زیادہ اچھے حالات میں اپنے بچے کو رکھنا چاہتے ہیں۔

یہ فطری خدمت ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ وہ والدین جو اتنی خدمت کر چکے، اب بچہ جوان ہو گیا، اب اس سے یہ توقع ہے کہ وہ اپنے شعور سے اپنے

بوڑھے والدین کی خدمت کرے اور عجیب بات ہے کہ چھوٹا بچہ ہوتو اس کی خدمت کرنا اچھا لگتا ہے لیکن جب وہ بوڑھے والدین کے روپ میں ہوتو اس کی باتیں کھٹکتی ہیں، چبھتی ہیں اور انسان زچ ہوتا ہے، اس کو مشکل لگتا ہے، پھر وہ بھاگتا ہے۔ بوڑھا تو بچے کی طرح ہو جاتا ہے مگر اس کی شکل وہ نہیں رہتی، ذہنی حالت مختلف ہو جاتی ہے۔ اب چونکہ بچوں نے والدین کو بڑے عقل مند انسان کے روپ میں دیکھا تھا، اپنے سے بڑا سمجھا تھا، اب وہ چھوٹا سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں۔ اب ان پر زوال آگیا، جیسے عقل پر زوال آیا ایسے ہی شکل پر بھی۔ اب جب وہ کوئی بات کرتے ہیں تو بچے زچ ہوتے ہیں، "آپ ایک ہی بات کو اتنی بار کیوں کہتے ہیں؟" اب پتہ تو لگ گیا کہ انہیں نہیں پتہ چلتا لیکن نوجوان نسل یہ چاہتی ہے کہ وہ اسی طرح سے فیصلے کریں جس طرح اپنی جوانی میں کرتے تھے تو اب وہ نہیں کر سکتے، اس لیے کہ اب ان کی سوچ اتنی مدلّل نہیں رہی، اب وہ اتنا مربوط انداز سے سوچ ہی نہیں سکتے۔

پھر آپ دیکھیں کہ ایک بچے کی تو والدین کتنی ناز برداریاں کرتے ہیں، اس کے لئے خوب صورت لباس خرید کے لاتے ہیں، اس کے کھلونے، اس کے کھانے پینے کی اشیاء، رنگ برنگ کی چیزیں اور بچوں کو ساتھ لے لے کر گھومتے ہیں۔ "بیٹا! کیا پسند ہے؟ جو کچھ آپ کو پسند ہے لے لو۔" آپ کسی ڈیپارٹمنٹل سٹور میں دیکھیں بچوں کو بھاگتے دوڑتے اور والدین خوش ہوتے ہیں کہ دیکھو کیسی کیسی چیزیں اکٹھی کر کے لاتے ہیں لیکن اپنے ہی والدین کے بارے میں طرزِ عمل مختلف ہوتا ہے کیونکہ ان کے ساتھ تو اچھا تعلق اور حسنِ سلوک شعور کی بنیاد پر ہی ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے شعور کو جھنجھوڑا ہے۔

اس کی انسانیت کو آواز دی ہے۔

فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَنًا﴾

''ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو''۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے میں ایک جذبہ رکاوٹ بنتا ہے۔ جانتے ہیں وہ کون سا جذبہ ہے؟ جب ایک انسان پیدا ہوتا ہے، پہلے بچہ ہوتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے، پھر اس کی شادی ہو جاتی ہے، پھر اس کے اپنے بچے ہو جاتے ہیں تو اپنے بچوں کی محبت اسے پیچھے کھینچتی ہے اور والدین کی محبت شعور سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ پھر وہی بچے جن کی خاطر والدین نے اتنا کچھ کیا وہ اپنے بچوں کی سوچنے لگتے ہیں۔ جب وہ اپنے بچوں کے بارے میں سوچتے ہیں تو پھر ان کے لیے اپنے والدین کے بارے میں سوچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ والدین تو بچوں سے کوئی تعریف ہی نہیں چاہتے، خدمت کرتے چلے جاتے ہیں، اولاد کی خاطر قربانیاں دیتے ہیں، ان سے قربانیوں کا مطالبہ نہیں کرتے لیکن جب وہ بوڑھے ہو جاتے ہیں، تو انہیں توجہ، Care اور محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب آپ دیکھیے کہ ایک انسان دو طرح کے معاملات کے بیچ میں ہے۔ ایک طرف اس کی محبت ہے، طبیعت اپنے بچے کی طرف کھینچتی ہے، دوسری طرف اس کا شعور ہے اور شعور والدین کی طرف جھک سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس شعور کو آواز دی ہے کہ ٹھیک ہے آپ کو اپنی اولاد کے ساتھ بہت محبت ہے لیکن اس اولاد میں اپنا بچپن دیکھو۔ کبھی تمہاری بھی ایسی ہی خدمت ہوئی تھی، کبھی تمہارے لیے بھی ایسی ہی قربانیاں دی گئی تھیں۔ جب اس چیز کو اپنے شعور میں لاؤ گے تب ہی تمہارا والدین کی طرف جھکاؤ ہو سکے گا تو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی سوچو۔

اسلام نے اپنی فطری تعلیمات کے ساتھ بنیادی اکائی، بنیادی یونٹ خاندان کو قرار دیا ہے۔ اس خاندان میں ناتواں بچے پرورش پاتے ہیں، وہ بڑے ہوتے ہیں اور خاندان سے

ایک بچے کو کیا ملتا ہے؟ وہ سب کچھ جو خاندان کے باہر سے نہیں ملتا، مثال کے طور پر محبت۔ انسان جو کچھ پاتا ہے وہ تقسیم کرتا ہے، خاندان سے انہیں تعاون ملتا ہے تو آپ دیکھیں چھوٹے چھوٹے بچے کیسے تعاون کرنے لگتے ہیں۔ ننھے ننھے ہاتھوں سے چھوٹی چھوٹی چیزیں پکڑ کر بڑوں کو دیتے رہتے ہیں اور بڑے بہت اچھا محسوس کرتے ہیں۔ پرسوں میری طبیعت بہت زیادہ خراب تھی اور میری چھوٹی بیٹی کو بہت زیادہ فکر لگی ہوئی تھی کہ مجھے گرم دودھ دے دے۔ مائیکروویو اوپر تھا۔ مجھے پتہ نہیں چلا، میں لیٹی ہوئی تھی تو اس نے کرسی کھینچی، اوپر چڑھی، مائیکروویو میں دودھ گرم کیا اور میرے پاس آ گئی، تعاون [Co-operation] ہے۔ ایک طرف سے اگر محبت ہے، تعاون ہے تو دوسری طرف سے بھی اسی طرح کی محبت اسی طرح کا تعاون ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے، جو لیتا ہے وہی لوٹاتا ہے۔

اسی طرح سے خاندان میں باہمی حسنِ سلوک ہے، کفالت کی جاتی ہے، والدین بچوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ پھر جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو اسلام یہ توقع کرتا ہے کہ بچے ریورس گیئر لگائیں گے۔ اب وہ خیال رکھیں گے، اب وہ خاندان کی ذمہ داریوں کو اٹھائیں گے۔ جس بچے کو خاندان کی تربیت نہیں ملتی، اس کی شخصیت میں نقص رہ جاتا ہے۔ جو بچہ خاندان کی زیرِ نگرانی تربیت نہیں پاتا، اس میں سب سے بڑی جو کمی رہ جاتی ہے وہ محبت کے شعور کی ہے۔ اسی وجہ سے جو بچے ہاسٹل میں پروان چڑھتے ہیں یا بہت ابتدائی عمر میں جن کے والدین وفات پا جاتے ہیں یا کسی اور ناگزیر مجبوری کے تحت جو بچے اپنے والدین کے ساتھ نہیں رہ سکتے ان کے اندر محبت کے شعور کی کمی ہوتی ہے۔

یہ شخصیت کا بڑا نقص ہے، بہت بڑی کمی ہے کیونکہ جس انسان کو محبت کا شعور نہیں ہوتا وہ محبت کی قدر بھی نہیں کر سکتا اور محبت تو صلہ چاہتی ہے، جواب چاہتی ہے تو جب محبت کا شعور ہی نہیں ہوگا تو جواب دینا بھی ممکن نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے ماہرینِ نفسیات کہتے

ہیں کہ پہلے دو سال بچے کو ماں کی گود میں ہی بسر کرنے چاہئیں۔ ماں کا دودھ اور اس کی گود، یہ قدرتی انتظامات ہیں اس محبت کے شعور کو پیدا کرنے کے لیے۔

پھر آپ دیکھیں بچہ ماں کی گود کو کسی سے بانٹنا نہیں چاہتا۔ اگر کہیں دو برس سے پہلے دوسرا بچہ آجائے تو پہلا بچہ بہت بُرا محسوس کرتا ہے، حسد [Jealousy] محسوس کرتا ہے اور اس کا ردِ عمل بھی بہت بُرا ہوتا ہے۔ آپ کسی نرسری یا یتیم خانے کا تصور اپنے ذہن میں لے کر آئیں جہاں بچوں کو مصنوعی انداز میں پروان چڑھایا جاتا ہے اور ایک مصنوعی ماں بچوں کا خیال رکھتی ہے، وہاں کیا صورت حال ہوتی ہے؟ کچھ عرصے تک ایک خاتون کی ڈیوٹی لگتی ہے اور پھر تبدیل ہو جاتی ہے جب کہ ایک بچہ تو اپنی محبت کو بدلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ پھر اسی طرح جس بچے پر ایک مصنوعی ماں کی ڈیوٹی لگی ہوتی ہے تو اس کے ساتھ بہت سارے دوسرے بچے بھی شامل ہوتے ہیں تو بچے حسد سیکھتے ہیں، بُغض سیکھتے ہیں، کینہ سیکھتے ہیں، محبت کا شعور انہیں نہیں ملتا۔

کتنا فطری نظام ہے جو اسلام نے بنایا۔ ایک خاندان کے اندر ایک ماں، ایک باپ اور ان کے زیرِ نگرانی بچے اور وہ بچے بھی ترتیب کے ساتھ آتے ہیں۔ اگر بچے کو دودھ کا حق دیا جائے تو ان میں قدرتی طور پر جو وقفہ آتا ہے وہ تقریباً تین برس کا ہے تو آپ دیکھیں کہ ایک بچے کو دو برس کے بعد ایک اور برس بھی گزارنے کا موقع ملتا ہے اور یوں اس کے جذباتی حالات نارمل ہو جاتے ہیں اور محبت کا گہرا شعور وہ ان دنوں میں اپنی ماں سے سیکھتا ہے اور باپ سے کیا کچھ؟ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کا خیال رکھنا۔ یوں محبت پروان چڑھتی ہے اور یہی انسانیت ہے۔ انسانیت کو پروان چڑھانے کے لیے بھی والدین اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور اسی کا قرض چکانے کے لیے اولاد والدین کی خدمت کرتی ہے۔ یہ قرض ہر ایک کے کندھوں پر ہے، جو لیا ہے جتنا لیا ہے اس کو واپس بھی لوٹانا

ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مضبوط شخصیات خاندان کی زیرِ نگرانی ہی پروان چڑھ سکتی ہیں، اس لیے خاندان کی نرسری کو اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار دیا ہے۔ یہاں پر اس حوالے سے فرمایا:

﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا﴾

''اس (ماں) نے مشقت اٹھا کر اس کو اپنے پیٹ میں رکھا''۔

یہ ایک بچے کی بنیاد رکھی ہے اس کی ماں نے۔ مشقت تو بہت ہے، تکلیف بہت ہے لیکن ماں کتنی خوشی خوشی برداشت کرتی ہے۔ اس سے کچھ کھایا نہیں جاتا، کچھ پیا نہیں جاتا، کچھ کھالے تو اُلٹ جاتا ہے۔ ہر چیز میں سے اسے بدبو آتی ہے، اسے برا لگتا ہے لیکن جب بھی اسے بچے کا خیال آتا ہے تو وہ خوش ہو جاتی ہے، پھر اسے اچھا لگتا ہے، یہ غم اور یہ تکلیف برداشت کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ ماں کا اس دورانئے میں اپنے بچے کے ساتھ کیسا تعلق ہوتا ہے؟ بچہ جیسے جیسے بڑھتا ہے، ماں کی مشقت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اٹھنا مشکل، لیٹنا مشکل، بیٹھنا مشکل، چلنا مشکل لیکن ماں اس وزن کو برداشت کرتی ہے اور یہ صرف وزن نہیں ہے۔ اگر ہم بچے کی پیدائش کے مراحل کو دیکھیں تو آج اس علم سے تعلق رکھنے والے بتاتے ہیں کہ کس طرح ماں کے پیٹ میں تبدیلیاں آتی ہیں؟

بچے کی پیدائش کا آغاز ہوتا ہے، ایک چھوٹا سا egg جب fertile ہوتا ہے تو ماں کی یوٹرس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اور آپ یہ دیکھیں کہ وہ کس طرح سے ماں کے پیٹ کو کھاتا ہے۔ خون جو وہاں بنتا ہے وہی اس کی غذا ہے۔ کس کا خون وہ کھاتا ہے؟ اپنی ماں کا۔

نو ماہ وہ اپنی ماں کو کھاتا ہے۔ ماں کو کھاتے کھاتے وہ کیا صورت اختیار کر لیتا ہے؟ ایک سیل تھا اس نے بڑھنا ہی تب ہے جب وہ اپنی ماں کے پیٹ سے خون حاصل کرے گا، اپنی خوراک لے گا۔ دیمک ہمیں کتنی بری لگتی ہے اس حوالے سے کہ لکڑی کو کھا جاتی ہے، جہاں لگ جائے وہاں کا کچھ نہیں چھوڑتی۔ ایک بچہ بھی اپنی ابتدائی اسٹیج میں دیمک کی طرح ہی تو ہوتا ہے اور ماں اسے کتنے شوق سے اپنا آپ کھلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نظام بنایا، بچہ ماں کو دیمک کی طرح چاٹتا ہے، ماں کمزور ہوتی چلی جاتی ہے لیکن اس کی محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ کیسا رشتہ ہے! یہ کیسا تعلق ہے! اسی تعلق کے بارے میں رب نے کہا:

﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا﴾

''اس (ماں) نے مشقت اٹھا کر اس کو اپنے پیٹ میں رکھا''۔

جب بچہ پورا بن جاتا ہے تو ماں جو کھانا کھاتی ہے، اپنے بچے کے لیے۔ وہ اپنی قوت بچے پر لگا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظام بھی ایسا بنایا ہے۔ مجھے کبھی محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر عورت کی فطرت ایسی نہ بنائی ہوتی تو شاید وہ بچے کے کھانے پر پابندی عائد کر دیتی کہ اب میں بہت کمزور ہو گئی ہوں، اس لئے کوئی اور انتظام کروں۔

اللہ تعالیٰ نے ماں کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ جتنا دکھ کاٹتی ہے، اتنا اس کی محبت بڑھتی ہے۔ اتنا ہی زیادہ وہ اپنے بچے کے لیے Caring رہتی ہے۔ مثلاً آج کے دور میں مائیں جب چیک اپ کروانے کے لیے ڈاکٹر کے پاس جاتی ہیں تو ایک الٹرا ساؤنڈ ہوتا ہے۔ بچے کی نشوونما میں اگر تھوڑی سی بھی کوئی کمی ہو تو ماں اتنی پریشان ہو جاتی ہے کہ بچہ مجھ سے اپنی خوراک کیوں نہیں لے رہا؟ بچہ مجھے کھا کیوں نہیں رہا؟ اس بات پر ماں پریشان ہے

اسے یہ احساس ہے کہ بچے کو پروان چڑھانا کتنا زیادہ ضروری ہے! رب العزت نے کیسی تصویر کشی کی ہے:

﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا﴾

''اس (ماں) نے مشقت اٹھا کر اس کو اپنے پیٹ میں رکھا''۔

پھر آپ دیکھیں کہ بچہ ابتدائی حالت میں گوشت کی شکل میں ہوتا ہے، پھر اس کی ہڈیاں بننا شروع ہوتی ہیں۔ جب ہڈیاں بنتی ہیں اس وقت وہ زیادہ خون چوستا ہے اور ایسے موقع پر ماں کو کیلشیم کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس دور میں کیلشیم بچے کو کہاں سے ملتی ہے؟ ماں کی ہڈیوں کے گودے سے۔ ماں ہڈیوں کا گودا تک کھلا دیتی ہے تب ہی یہ ہڈیاں بنتی ہیں، تھوڑا احسان نہیں ہے اس ماں کا جس نے ہمیں جنا۔ کس طرح سے اس کے وجود کا ایک ایک حصہ کام کرتا ہے۔ سب کچھ وہ برداشت کرتی ہے اور اس کے چھوٹے سے بچے کو زندگی ملتی ہے۔ پھر وہ بچہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے باہر آتا ہے:

﴿وَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾

''وہ اس کو مشقت سے جنتی ہے''۔

ماں کے لیے ایسا لگتا ہے جیسے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اسے زندگی سے زیادہ موت قریب محسوس ہوتی ہے، اتنا دکھ شاید کسی بیماری میں نہیں ہوتا، جتنی مشقت بچے کو جنم دینے [Delivery pain] سے ہوتی ہے، ایک ایک ٹیس ایسی ہوتی ہے کہ انسان کو لگتا ہے کہ اب دم نکلا کہ اب نکلا لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آجاتا ہے۔

اس کے پیدا ہونے کے بعد اس ماں کو اپنی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، سب سے پوچھتی ہے کہ وہ صحیح ہے ناں!

دکھاؤ تو سہی وہ کیسا ہے!

کیسا ہے جس کو اپنے خون سے سینچا ہے!

جس کو ہڈیوں کا گودا کھلایا ہے!

اسے کتنی زیادہ محبت ہے! اسلام کا اصول کتنا فطری ہے کہ جس کی وجہ سے تمہاری ہڈیاں پروان چڑھیں، تمہارا جسم پروان چڑھا، جس کی وجہ سے آج تم اس شکل وصورت میں ہو، اس ماں کے احسان کو یاد رکھو، اس کے ساتھ احسان کرنا ہے۔

بات صرف پیدائش تک نہیں رہتی، ہر میدان میں مشقت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿حَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾

''اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے''۔

یہ کم از کم دورانیہ ہے۔ ذرا تیس ماہ کو تیس سے ضرب دیں تو نوسو دن بنتے ہیں اور اگر دو یا تین ماہ تیس سے زیادہ ہو جائیں تو نوے دن اور شامل کر لیں یعنی تقریباً ہزار دن بنتے ہیں۔ ایک دن میں دیکھیں کتنے گھنٹے اور ایک گھنٹے میں دیکھیں کتنے منٹس! جو مائیں ہیں وہ محسوس کر سکتی ہیں کہ ایک ایک منٹ کتنا بھاری ہو جاتا ہے! کتنا دکھ! کتنی تکلیف!

حمل کے دوران بھی تکلیف ہے لیکن بعد میں بھی کون سا یہ تکلیف ختم ہو جاتی ہے! دودھ پلانے کا موسم آتا ہے، دودھ پلانے کی مشقت کو دوسرے انسان دیکھ تو سکتے ہیں، محسوس نہیں کر سکتے۔ اس دودھ سے ایک بار پھر ماں نچڑ جاتی ہے، اس کے اندر کی پوری قوت

اس بچے کی پرورش کرنے میں صرف ہوجاتی ہے۔ وہ دودھ کی صورت میں اپنا جسم بھی کھلاتی ہے، اپنے ذہن، اپنے دل، اپنے اعضا اور اپنے جسم کی قوتوں کے ساتھ اس کی پرورش کرتی ہے۔ اس بچے کے لیے اسے ہر وقت خبردار [alert] رہنا پڑتا ہے۔ یہ روئے نہیں، گیلا نہ ہو، بھوک نہ لگی ہو، ایسا لگتا ہے ماں کو کوئی اور کام ہی نہیں سوائے اس بچے کے۔

جب مرغی کے نئے نئے چوزے نکلتے ہیں تو وہ ہر وقت دوسروں کو غصیل قسم کی مرغی نظر آتی ہے، ہر ایک پر وہ کُٹ کُٹ کرتی پھرتی ہے، اِدھر نہ دیکھنا یہ میرے بچے ہیں۔ ایسے ہی ایک ماں بھی اپنے بچے کے لیے بالکل مرغی کی طرح ہوجاتی ہے۔ اپنے بچے کو پالنے کے لیے اسے کسی کی کوئی پرواہ نہیں رہتی، شوہر کی بھی نہیں۔ بچے کی خدمت کے لیے دن رات حاضر۔ اسے یہ پتہ ہے کہ پیمپر تبدیل کرنا ہے، دودھ پلانا ہے، نہلانا ہے، اسے صاف رکھنا ہے، اس کو موشن ہو گئے، پھر یہ گندا ہو گیا، اس کا سانس ٹھیک نہیں آ رہا، اس کو ڈاکٹر کو چیک کرانی ہے، بس اس کو ہر طریقے سے خوش رکھنا ہے۔

پھر جو مائیں زیادہ باشعور ہوتی ہیں، سمجھدار ہوتی ہیں انہیں یہ بھی پتہ ہے کہ بچے کے سیکھنے کی عمر ہے، لہٰذا وہ ابتدائی عمر میں ہی بچے کو سکھانا بھی شروع کر دیتی ہیں اور پھر آپ یہ دیکھئے کہ بچے کو سکھانے کے لیے کتنی قوت لگتی ہے؟ انسان ایک لفظ بولنا چاہے تو آسانی سے بولا جاتا ہے لیکن مادری زبان کے پیچھے کوئی اس مشقت کو نہیں دیکھتا جو ماں زبان سکھانے کے لیے اٹھاتی ہے۔ قدرتی طور پر بھی بچہ سیکھتا ہے لیکن ماں اس کے ساتھ بولتی ہے، باتیں کرتی ہے۔ آپ ذرا اس دیوار کے ساتھ باتیں کر کے دیکھئے: کتنی دیر باتیں کریں گے؟ بچے کی طرف سے رسپانس آتے ہیں، بچہ محسوس کرتا ہے لیکن وہ بول نہیں سکتا۔ کتنی ہی مدت وہ دادا، نانا، دانا، تاتا، جیسے الفاظ بولتا ہے اور ماں اکتاتی نہیں ہے۔ پھر آپ یہ دیکھیں کہ ایسا اگر کوئی بوڑھا کرنے لگے تو سارے اکتا جاتے ہیں، بچہ ایک ہی لفظ بار بار دہراتا ہے اور اس

کے بولنے پر سارا گھرانہ خوش ہو رہا ہوتا ہے کہ یہ بول پڑا، اب وہ یہ لفظ کہتا ہے۔ میرا بیٹا پیدا ہوا تو میں نے اس کی baby book بنائی، اس میں وہ الفاظ بھی لکھے جو اس نے پہلی بار بولے تھے۔ اب سب بچے کتاب کھول کر بیٹھ جاتے ہیں کہ میں نے سب سے پہلے کیا کہا تھا؟ کون کون سے الفاظ بولے تھے؟ کبھی کوئی چھوٹی سی چیز ہوتی ہے جو بچے کے لیے سوچنے کا سبب بن جاتی ہے کہ یہ وہ ماں ہے جو میری چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی یاد رکھتی ہے کہ میر اپہلا دانت کب نکلا؟ پہلی دفعہ میں کب بیٹھا؟ کب میں نے پہلی دفعہ قدم رکھا تھا؟ مجھے پہلا انجیکشن کب لگا؟ یہ چھوٹی چھوٹی یادیں ہیں لیکن ان کے اندر مشقت کتنی زیادہ ہے! اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت نہ ہوتی تو اتنی بھاری مشقت اٹھانے کے لیے کب کوئی تیار ہوتا!

آپ دیکھیں جو لڑکیاں مائیں نہیں بنتیں ان کو کتنی فکریں لاحق ہوتی ہیں؟ اتنے علاج کروائے جاتے ہیں، دعائیں کی جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایک اچھا بچہ عطا کرے۔ یہ فطرت ہے، فطرت کی مانگ ہے۔ انسان یہ مشقت اٹھانا چاہتا ہے لیکن جس نے یہ مشقت اٹھائی اس کا احسان ہے اور جس کا احسان ہے اس کا حق ادا کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں دیکھو یہ ماں جس نے تمہیں نو یا کم از کم چھ ماہ اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال دودھ پلایا، اس کا بڑا حق ہے۔ اس نے تمہیں وہ کھلایا جو تم خود نہیں کھا سکتے تھے۔ ماں تو اپنی ہڈیوں کا گودا کھلاتی ہے۔ کیا کسی بچے سے آپ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ایسی خدمت کر سکے؟ وہ ویسے تو کچھ نہیں کر سکتا لیکن اپنی ہڈیاں ان کی خدمت میں تو گھلا سکتا ہے، اپنی قوت اور زور لگا سکتا ہے۔ رب بھی یہی چاہتا ہے کہ ان ماں باپ کے لیے ان کی اولاد جو انسان ہے، اپنی انسانیت کے ناطے اپنے آپ کو گھلائے، ان کے احسان کا حق ادا کرے۔

ایک اور چیز توجہ طلب ہے۔ آپ کیا سوچتے ہیں؟ کیا ماں کی مشقت کا صلہ، پیٹ میں

رکھنے کا صلہ، اپنا خون اپنے بچے کو کھلانے کا صلہ، اپنی ہڈیوں کا گودا کھلانے کا صلہ، اس کے رتجگوں کا صلہ، اس کے دودھ پلانے کا صلہ کوئی اولاد دے سکتی ہے؟ کوئی اولاد، کوئی اور وجود میں آنے والی ہستی ایسی ہے جو یہ صلہ دے سکتی ہو؟ کوئی اس مشقت کا صلہ نہیں دے سکتا۔ کتنی بھاری مشقت ہے!

ایک دفعہ نبی ﷺ سے ایک شخص نے کہا جو اپنی ماں کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے طواف کروا رہا تھا کہ کیا میں نے اس کا حق ادا کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں صرف ایک بار سانس لینے کے برابر بھی حق ادا نہیں کیا، ماں کے ایک سانس کا بدلہ بھی نہیں ہے جو تو نے طواف کروایا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حق کتنا بڑا ہے! مشقت کتنی بڑی ہے! قرآنِ مجید انسان کو والدین کے ساتھ احسان کی وصیت کرتا ہے۔ ماں کی بے مثال مشقتوں اور قربانیوں کے مرحلے سے گزار کر اب اسے سنِ رُشد میں لے جاتا ہے۔ اب ایک انسان مضبوط ہے، توانا ہے، دانش مند ہے، اب اس کا دل ہدایت یافتہ ہے، اب وہ بڑا ہو گیا اور اس کے والدین بوڑھے ہو گئے۔ رب العزت فرماتے ہیں کہ تم بڑے ہو گئے اور وہ بوڑھے ہو گئے تو

﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾

”یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا، اس نے کہا ”اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمائی اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل

کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے لیے میری اولاد کی اصلاح کر دے، بلاشبہ میں نے تیری طرف توبہ کی اور یقیناً میں مسلمانوں میں سے ہوں۔"

انسان اپنے سنِ رشد کو 30 یا 40 سال کی عمر کے درمیان پہنچتا ہے۔ یہ چالیس سال رشد وہدایت کے ہوتے ہیں۔اس کی ساری مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں۔اس کا تفکر، اس کا غور وفکر پورا ہو جاتا ہے۔وہ اپنی انتہا پر ہوتا ہے۔اتنے برسوں میں انسان کی فطرت میں ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے، اس کی فطرت مستقیم ہو جاتی ہے، پھر وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ انسانیت کے انجام پر غور وفکر کر سکے۔قرآنِ مجید ایسی ذہنیت کی واردات کو قلم بند کرتا ہے جو صالح فطرت رکھتی ہے، وہ فرد جو صالح ذہن رکھتا ہے۔صالح فطرت والا انسان جو اپنے والدین کے احسان کو محسوس کرتا ہے۔رب تعالیٰ اپنے انسانِ مطلوب کو پیش کرتے ہیں کہ ایک انسان کو ایسا ہونا چاہیے۔وہ اپنی عمر کے کثیر حصے کو پیچھے چھوڑ چکا، اس کی فطرت مستقیم ہو گئی، اب وہ کیا کہتا ہے؟

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾

"اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اُس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمائی اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے لیے میری اولاد کی اصلاح کر دے، بلاشبہ میں نے تیری طرف توبہ کی اور یقیناً میں مسلمانوں میں سے ہوں۔"

دعا کے اتنے حصے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک صالح فطرت رکھنے والا بندہ ہے جو شکر ادا کرنا چاہتا ہے اور اس کی توفیق مانگتا ہے اور اپنے والدین پر کیے جانے والے احسان کو بھی محسوس کرتا ہے اور کرنا کیا چاہتا ہے؟ ایسا کام جس سے رب راضی ہو جائے۔ یہ ایک صالح انسان کی تصویر ہے۔

اس کو پورا شعور ہے کہ رب نے مجھ کو کن نعمتوں سے نوازا ہے اور پھر آپ دیکھیں اس نے نعمتوں کا سلسلہ کہاں سے محسوس کرنا شروع کیا؟ پیچھے بہت پیچھے، جب وہ نہیں تھا، جب اس کے والدین تھے۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ میرے اوپر احسانات کی کڑی میرے والدین سے ملتی ہے۔ ان کی وجہ سے میں وجود میں آیا، ان کا شکر ادا کرنا ہے۔ کہتا ہے: 'اَنْ اَشْکُرَ' کہ میں شکر کروں، یہ بات بہت خاص ہے۔ والدین کے بارے میں اولاد سوچتی ہے کہ ان کو بھی کچھ کرنا چاہیے۔ جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو ان پر بہت ذمہ داریاں ڈالنے کی کوشش ہوتی ہے اور یہاں پر ساری ذمہ داریاں کون لے رہا ہے؟۔۔۔ اولاد، کہتی ہے:

﴿ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ ﴾

"میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں۔"

نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہتا ہوں جو آپ نے مجھ پر کیں اور جو میرے والدین پر کیں وہ بھی تو مجھ پر ہی تھیں، میں ان کا بھی شکر ادا کرنا چاہتا ہوں۔ یا اللہ! تو اس کی بھی مجھ کو توفیق دے۔

﴿وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ﴾

''اور میں ایسا نیک عمل کروں کہ تجھ کو پسند آ جائے''۔

یہ نیک عمل کون سا ہے؟ اپنے لیے بھی اور اپنے والدین کے لیے بھی، عملِ صالح۔ یہ ایسا انسان ہے جو والدین کا بھی احسان شناس ہے، ان کا احسان بھی ادا کرنا چاہتا ہے، ان کی خدمت بھی کرنا چاہتا ہے اور اس کی نظریں رب پر ہیں، وہ ربّ کی رضا چاہتا ہے، کہتا ہے:

﴿وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ﴾

''اور میں ایسا نیک عمل کروں کہ تجھ کو پسند آ جائے''۔

مومن کا اصل مقصد رب کو خوش کرنا ہے۔ اوپر رب ہے، اس کے انعامات والدین پر بھی ہیں اور اس شخص پر بھی ہیں اور دیکھئے: احسان شناس انسان رب کے احسانات کو والدین کے ذریعے دیکھ لیتا ہے، محسوس کر لیتا ہے کہ جو والدین پر نعمتیں تھیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور جو مجھ پر تھیں وہ بھی اسی کی طرف سے تو وہ اس کا شکر ادا کرنا چاہتا ہے اور شکرانے کے طور پر نیک اعمال کرنا چاہتا ہے۔ یہ الفاظ خاص طور پر دیکھئے گا کہ

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْ﴾

''اے میرے رب مجھ کو قابو میں رکھ۔''

کہیں میں اپنی قوتیں اِدھر اُدھر نہ لگا دوں۔

کہیں میں اپنی صلاحیتیں اِدھر اُدھر نہ لگا دوں۔

کہیں میں اپنا مال، اپنا سب کچھ ضائع نہ کر دوں۔

اے میرے ربّ! تو نے جو مجھ کو دیا کہیں میں اس کو ضائع نہ کر بیٹھوں۔

اے میرے ربّ! تو مجھ کو قابو میں رکھ۔

تو ہی مجھ کو کنٹرول کرنے والا ہے کہ میں تیرا شکر ادا کروں۔

اور ایسا نیک کام کروں کہ تو راضی ہو جائے۔

ایک صالح انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہوتا ہے؟۔۔۔رضائے الٰہی کا حصول۔

ایک بیوی کیا چاہتی ہے؟ ایسا کھانا بناؤں کہ میرے شوہر کو پسند آجائے۔ایک بیٹی کیا چاہتی ہے؟ ایسا کھانا بناؤں کہ میرے والدین کو پسند آجائے، میری ماں کو اچھا لگے اور ایسے ہی دوسرے کام ہیں کہ انسان اس لیے کرتا ہے کہ دوسروں کو پسند آجائیں۔بیوی ایسے کپڑے پہنتی ہے کہ شوہر کو پسند آجائے۔بعض اوقات انسان اس لیے خرچ کرتا ہے کہ اس کی واہ واہ ہو جائے، کوئی کام اللہ تعالیٰ کی پسند کے لیے کرتا ہی نہیں۔انسان کتنے ہی کام دنیا میں کس کس کی خوشی کے لیے کرتا ہے، کوئی کام قابلِ قبول نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کے یہاں کون سی چیز قابلِ قبول ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جانے والا کام۔اس لیے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی یُرَآئِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ

''جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔''

وَمَنْ صَامَ یُرَآئِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ

''جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا۔''

وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَآئِیْ فَقَدْاَشْرَکَ

''جس نے دکھاوے کا صدقہ کیا اس نے شرک کیا''۔

(مسند احمد)[الترغیب والترحیب، الجزء الاول، 43]

اللہ تعالیٰ نے صالح انسان کا مزاج کھول کر رکھ دیا جو صرف رب کی خوشی چاہتا ہے تو

والدین کی خدمت کرتے ہوئے ان کا خیال رکھتے ہوئے، وہ محبت پیشِ نظر ہوتی ہے جو انہوں نے کی ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصد نہیں ہے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔۔۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟

دیکھیں کہ آپ کے دل میں والدین کی محبت ہے اور آپ نے اس محبت کے اطمینان کے لیے کام کر لیا تو اطمینان مل گیا لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کوئی اجر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا اجر کب ملے گا؟ بیک وقت دنیا کا مشکل ترین اور آسان ترین کام، دونوں صفات اس میں آجاتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشی، اس کی رضا اور اس کی پسند کی خاطر یہ کام کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا، پسند اور خوشی کے لیے کون یہ کام کر سکتا ہے؟

جو شعوری طور پر جیتا ہے۔

جو سوچ سمجھ کر کام کرتا ہے۔

جس کا رخ کسی اور کی محبت کی طرف نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف ہوتا ہے۔

آپ قبلہ رخ نہ ہوں تو آپ کی نماز نہیں ہوگی، اسی طرح اگر آپ کے نیک عمل کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہو تو وہ نیک عمل نہیں ہوگا۔ لہٰذا رخ کا درست ہونا ضروری ہے۔

والدین کے ساتھ محبت ہے اور ان کی خدمت کی وصیت اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ انسان کو پہلے بھی اس کا احساس ہو سکتا ہے مگر جب انسان چالیس برس کا ہو جائے تو اس کی فطرت بہت سیدھی ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس سے امید ہوتی ہے کہ وہ اپنے والدین کو آگے بڑھ کر سنبھالے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس عمر سے پہلے لوگوں کو سمجھایا نہیں جائے گا لیکن اس عمر میں تو انسان کا مزاج اور طرح کا ہو جاتا ہے۔ اس وقت تو فطرت کی مانگ ہوتی ہے کہ وہ خود سے خود فطری تقاضوں کو پورا کریں جب کہ اس سے پہلے بھی بچوں اور بڑوں کو

اسلام کی تلقین یہی ہے کہ

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَنًا﴾

''ہم نے انسان کو وصیت کی کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کر''۔

اس کے بارے میں جب ہم حدیثِ نبوی ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو رسول ﷺ کی بہت تلقین ملتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے سوال کیا:

کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے؟

(یہ وہی بات ہے ناں اَنْ اَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ کون سا کام کروں کہ پسند آ جاؤں؟)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وقت پر نماز پڑھنا''۔

میں نے کہا: ''اس کے بعد''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا'' [بخاری:527]

اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ رب کا حق ادا کرنے کے بعد سب سے بڑی نیکی والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا ہے۔ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دفعہ کا ذکر ہے، تین آدمی سفر کر رہے تھے کہ بارش شروع ہو گئی اور وہ پہاڑ کی غار میں چلے گئے۔ اس غار کے منہ پر پہاڑ کا ایک پتھر آن گرا اور اس نے ان کا راستہ بند کر دیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ تم اپنے ایسے نیک عمل پر نظر ڈالو کہ وہ تم نے خالص اللہ عزوجل کے لیے انجام دیا ہو اور ان میں سے کسی عمل کے واسطے سے دعا کرو کہ

شاید اسی طرح تمہارا راستہ کھول دیا جائے۔ان میں سے ایک نے کہا کہ اے اللہ! میرے والدین بوڑھے تھے، میرے بچے چھوٹے تھے اور میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔جب میں دودھ دوہتا تو اپنے والدین سے آغاز کرتا اور اپنے بچوں سے پہلے ان کو دودھ پلاتا۔ایک دن میں درختوں کی تلاش میں دور چلا گیا۔جب میں واپس آیا تو دیکھا کہ وہ سو چکے ہیں۔ میں نے حسب عادت دودھ دوہا اور لا کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔میں نے ان کو نیند سے بیدار کرنا پسند نہیں کیا اور نہ مجھے یہ اچھا لگا کہ ان سے پہلے اپنے بچوں کو دودھ پلاؤں۔بچے میرے پاؤں کے پاس بلک رہے تھے لیکن میں مسلسل اسی عالم میں رہا یہاں تک کہ فجر طلوع ہوگئی۔

اے اللہ! اگر تیرے علم کے مطابق میں نے یہ کام تیری رضا کے لیے کیا تو ہمارے لئے یہ راستہ کھول دے تاکہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔پھر اللہ تعالیٰ نے اس قدر ان کا راستہ کھول دیا کہ ان کو آسمان نظر آنے لگا''۔پھر اس کے بعد پوری حدیث بیان کی۔[بخاری:5974]

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ والدین کی خدمت کرنا، ان کا خیال رکھنا اللہ تعالیٰ کو کس قدر پسند ہے۔حدیث میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ والدین کی نیند کا خیال کیا، اپنے بچوں پر ترجیح دی، ان کی قوت کے لیے دودھ کا اہتمام کیا۔سارے دن کا تھکا ہارا انسان ہے مگر والدین کے سرہانے کھڑا رہا کہ پہلے وہ پئیں گے بعد میں کوئی اور پیے گا۔اللہ تعالیٰ کو یہ نیکی اتنی پسند آئی کہ پتھر اپنی جگہ سے ہل گیا اور انہوں نے جو دعا کی تھی وہ پوری ہوئی۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد کرنے کی اجازت طلب کرنے لگا۔

آپ ﷺ نے سوال کیا: ''کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟'' اس نے کہا: ہاں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ ﴾

''تو ان کی خدمت میں رہ اور جہاد کر۔'' [مسلم]

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دفعہ والدین کی ایسی حالت نہیں ہوتی کہ ان کو چھوڑ کر نکلا جائے، بڑھاپے کی وجہ سے وہ اپنا کوئی کام نہ تو خود کر سکتے ہیں، نہ ان کے بہن بھائی ہیں کہ وہ کر دیں اور نہ ہی اور اولاد کہ وہ کر دے تو اس وجہ سے جہاد کرنے کے بدلے وہ والدین کی خدمت کرے گا۔

یہ بات بھی واضح کر دوں کہ تندرست اور صحیح سلامت والدین ہیں اور دوسرے بہن بھائی بھی موجود ہیں اور اس حدیث کو جواز بنا کر پیش کیا جاتا ہے کہ والدین کی خدمت کرنا جہاد سے زیادہ ضروری بنا کر رسول ﷺ نے پیش کیا۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ انسان کہے کہ آخر سفر میں نماز قصر کیوں ہوگی جب کہ نماز پڑھنا تو بہت بڑی نیکی ہے اور دل بھی چاہتا ہے کہ انسان پوری نماز پڑھے یا سفر میں رعایت کی وجہ سے اب اگر کوئی گھر میں بیٹھ کر قصر کرنا چاہے تو وہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی اپنے صحت مند والدین کے پاس دوسرے لوگوں کے موجود ہونے کے باوجود جہاد سے بری الذمہ ہو کر خود کو بڑی نیکی پر کاربند محسوس کرے تو یہ نیکی نہیں ہے۔ یہاں خاص قسم کی صورت حال کا تذکرہ ہے کہ اگر کوئی اور خیال رکھنے اور خدمت کرنے والا نہیں تو پھر والدین کا درجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا حق چھوڑ کر والدین کے حق کو آگے کر دیتا ہے۔

اسی طرح سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یمن سے ایک شخص نے ہجرت کی تو رسول ﷺ نے فرمایا: ''کیا یمن میں تمہارا کوئی رشتہ دار ہے؟''

اس نے کہا: ''میرے والدین ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا انہوں نے تمہیں اجازت دے دی ہے؟''

اس نے کہا: ''نہیں۔''

رسول ﷺ نے فرمایا:

﴿ فَارْجِعْ اِلَيْهِمَا فَاسْتَاْذِنْهُمَا فَاِنْ اَذِنَا لَکَ فَجَاهِدْ وَاِلَّا فَبِرَّهُمَا ﴾ [ابوداؤد: 2530]

''جاؤ ان سے اجازت لو، اگر وہ اجازت دیں تو جہاد کرنا ورنہ ان کی خدمت کرنا۔''

اس حدیث میں رسول ﷺ نے واضح کیا کہ کیا یمن میں تمہارے کوئی رشتے دار ہیں؟ تو صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والدین ہیں تو آپ ﷺ نے جب دیکھا کہ کوئی اور نہیں ہے تو فرمایا کہ ان سے اجازت لے کر آؤ۔ یہاں پر جو بات پیشِ نظر ہے وہ یہ کہ والدین کی اجازت سے بڑے سے بڑا نیکی کا کام کرنا ہے مگر اجازت کا یہ مطلب نہیں کہ والدین کو اتھارٹی مل گئی کہ انہوں نے ہر کام سے روکنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہر کام میں ان کی رضا شاملِ حال ہو، ان کو ساتھ لے کر چلو، ان کو ناراض نہیں کرنا، ان کو مناؤ تاکہ وہ خوش رہ سکیں اور تمہارے پیچھے دعائیں کر سکیں۔ یہ ایک کام کو زیادہ اچھے طریقے سے کرنے کی نصیحت ہے۔ ''اگر دیں تو ٹھیک ورنہ دونوں کی خدمت کرنا'' سے مراد ہے کہ صورتِ حال مختلف ہے، ان کے پاس خدمت کرنے کے لیے کوئی نہیں۔ اگر کوئی اور ہوتا تو صورتِ حال مختلف ہوتی۔

سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

﴿ رِضَا اللّٰهِ فِیْ رِضَا الْوَالِدِ وَسَخَطُ اللّٰهِ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدِ ﴾

[ترمذی، ابنِ حبان، حاکم]

''ربّ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور ربّ کی خفگی والد کی خفگی میں ہے''۔

یعنی والد اگر ربّ کی رضا چاہنے والا ہے تو اس کی رضا چاہنا دراصل رب کی رضا چاہنا ہے اور اگر والد رب کو ناراض کرنے والا ہے اور اس کی رضا اگر خدا کی ناراضی میں ہے تو ایسا کام نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی بھی حالت میں ناراض نہیں کیا جا سکتا لیکن یہاں یہ ایک صالح والد کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق کام کرنے والا ہے۔ وہ چونکہ رب کو ناراض نہیں کر سکتا لہٰذا اس کی اولاد کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے ناراض کرے۔ اس لیے رب کی رضا کو اپنے والد کی رضا میں تلاش کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ ربّ کی ناراضی کو دیکھنا ہے تو اپنے والد کی ناراضی میں دیکھیں۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ فرمایا:

﴿ هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ ﴾

''وہ تیری جنت اور تیری دوزخ ہیں'' ۔[معجم کبیر طبرانی]

والدین جنت کیسے بن سکتے ہیں؟

جب آپ والدین کی خدمت کریں گے۔

ان کا خیال رکھیں گے۔

ان سے محبت کریں گے۔

اور وہی والدین دوزخ کیسے بن سکتے ہیں؟

ان کو ناراض کریں گے تو رب ناراض ہو جائے گا۔

ان کی خدمت نہیں کریں گے۔

ان کا دل دُکھے گا تو رب ناراض ہو جائے گا۔

قرآنِ کریم نے والدہ کا ذکر خصوصی طور پر کیا ہے اور اسی طرح سے نبی کریم ﷺ نے والد اور والدہ کے لیے بھی الگ الگ ارشادات فرمائے ہیں۔ یہ روایت ہے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

''میرے پاس مال ہے اور والد بھی ہیں اور میرے والد کو میرے مال کی ضرورت ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: اَنْتَ وَمَالُکَ لِوَالِدِکَ

''آپ اور آپ کا مال، دونوں آپ کے والد کے ہیں۔'' [سنن ابوداؤد: 3530]

یعنی تم اگر ان کی اولاد ہو تو ایسی صورت میں تم بھی ان ہی کے ہو اور تمہارا مال بھی ان ہی کا ہے۔ اس بنیاد پر کتنے جھگڑے ہوتے ہیں! والدین سے اولاد کتنا کچھ لینا چاہتی ہے! وہ بوڑھے ہو جائیں تو اولاد پیچھے پیچھے پھرتی ہے، سائن کر دیں، جو کل ملنا ہے آج دے دیں، ہمیں جائیداد میں سے ہمارا حصہ دے دیں، پھر یہ بحثیں کہ اس کو زیادہ دیا ہے اور ہمیں کم دیا ہے۔

حدیث سے کیا پتہ چلتا ہے کہ والدین مال کی ضرورت محسوس کرتے ہوں، مال کا مطالبہ کرتے ہوں تو انہیں محروم نہیں رکھنا۔ کتنی الٹی گنگا بہتی ہے ناں ہمارے ہاں اور اس حدیث سے کتنی اہم تلقین کا پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی اور آپ کا مال بھی دونوں آپ کے والد کے ہیں۔ اس ایک حدیث کی وجہ سے سوسائٹی کی کتنی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس ایک تصور کی اصلاح ہو جائے تو سوسائٹی کے کتنے ہی جھگڑے ختم ہو جائیں، کتنی تکلیفیں دور ہو جائیں، اگر انسان اپنے والدین کے اس حق کو محسوس کر لے کہ جن کی وجہ سے یہ وجود ملا ان کے لیے سارا مال بھی حاضر ہے تو یہی اسلام ہے۔ یہ سچا دین ہے، والدین کو ان کے احسان

کے مطابق پورا پورا حق دلاتا ہے۔

اسی طرح سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے ہیں:

﴿ اَلْوَالِدُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَاِنْ شِئْتَ فَاَضِعْ ذٰلِکَ الْبَابَ اَوِ احْفَظْهُ ﴾ [ترمذی: 1900]

''والد جنت کے دروازوں کا درمیانی حصہ ہیں۔ پھر اگر تم چاہو تو اس دروازے کو ضائع کر دو یا اس کی حفاظت کرو''۔

اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ والد کی قدر کرنا دراصل اپنی جنت کی حفاظت کرنا ہے یعنی والد جنت کا درمیانی دروازہ ہے تو تم اگر اپنے والدین کی حفاظت کرو گے گویا اپنی جنت کی حفاظت کرو گے۔

اس سوسائٹی میں دیکھیے: کتنے والدین ہیں جو بوڑھے ہو جاتے ہیں تو اولاد انہیں قابلِ اعتناء نہیں سمجھتی۔ کتنے ہی لوگ ہیں جن سے اس بارے میں بات کرنے کا اتفاق ہوا کہ آپ اپنے بوڑھے والدین کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ ہم انہیں اچھا کپڑا بھی لے کر دیتے ہیں، تین وقت کھانا بھی فراہم کرتے ہیں اور ان کی دوائیوں کا بھی خیال کرتے ہیں، خیال تو یہی آتا ہے کہ بڑا ہی اچھا کام کر رہی ہے اولاد۔ اگر پوچھو کہ کتنا وقت دیتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارے پاس وقت نہیں ہے، جب جاؤ ایک ہی بات کرتے ہیں، اچھا ہے نہ ہی ملاقات ہو حالانکہ والدین کی چاہت تو یہ ہوتی ہے کہ ہمارا بچہ ہمیں دکھائی دے جائے کیونکہ بچے سے انہوں نے بے پناہ محبت کی ہوتی ہے، اس کی ایک ایک خوشی انہیں عزیز ہوتی ہے، اس کا ایک ایک دکھ دور کرنا چاہتے ہیں۔ جو بچے نہیں بھی ملنا چاہتے والدین ان کے لیے بھی دعائیں کرتے ہیں لیکن وہی بچہ ان والدین کو شکل بھی نہیں دکھانا چاہتا، اپنی آواز بھی

سنانا نہیں چاہتا، وقت بھی نہیں دیتا۔

مثلاً سارے گھر والے کھانا کھانے کے لیے باہر جا رہے ہیں اور بوڑھے والدین گھر میں ہیں خود سے ہی تصور کر لیا جاتا ہے کہ یہ گھر میں ہی ٹھیک ہیں۔

کیا ان کے اندر سے انسانی احساسات و جذبات ختم ہو گئے؟

کیا ان کا جی نہیں چاہتا کہ وہ اچھا کھانا کھا لیں؟

یا وہ اپنے بچوں اور ان کے بچوں کے درمیان بیٹھیں؟

انسان کے لیے سب سے بڑی اذیت یہ ہے کہ اسے تنہا چھوڑ دیا جائے تو قیدِ تنہائی دے دیں، اس سے بڑی کوئی اذیت ،ٹینشن اور پریشانی نہیں۔ لیڈی ڈیانا نے کہا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا دکھ یہ ہے کہ انسان یہ محسوس کرے کہ اس سے کوئی محبت کرنے والا نہیں۔ ڈیانا نے تو کسی اور نقطۂ نظر سے کہا تھا لیکن جو بات اس وقت میں آپ کے سامنے رکھنا چاہ رہی ہوں وہ یہ کہ کہیں آپ کے گھر میں آپ کے والدین اس حال میں تو نہیں کہ وہ یہ محسوس کرتے ہوں کہ

ہم سے کوئی محبت کرنے والا نہیں۔

ہماری طرف کسی کی محبت بھری نظر نہیں اٹھتی۔

ہمارے ساتھ بیٹھ کے کوئی اپنے بچپن کی باتیں کرنے والا نہیں۔

ہمارے ساتھ کوئی دکھ سکھ بانٹنے والا نہیں۔

ہمارے رشتوں کی، ہمارے تعلقات کی کوئی بات کرنے والا نہیں۔

ہم سے کوئی ہمارے رب کی بات کرنے والا نہیں۔

عضوِ معطل کی طرح کاٹ کے پھینک دیے جاتے ہیں والدین۔ اپنے آپ کو اس صورتحال میں رکھ کے سوچیے !اگر آپ کا کوئی خیال رکھنے والا نہ ہو، کوئی آپ کو پوچھنے والا نہ

ہو، کوئی آپ کے ساتھ وقت گزارنے والا نہ ہو تو

یہ کتنا بڑا دکھ ہے!

کتنا بڑا عذاب ہے!

کتنی بڑی تکلیف ہے!

بڑھاپے میں انسان کو شاید کپڑوں کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں رہتی جتنی زیادہ اسے محبتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ماں باپ کے ہاتھوں کو محبت سے ایک بار چھو کر دیکھئے، بوڑھے بوڑھے ہاتھوں کو دیکھیں اپنے بچے کے ہاتھوں کو پکڑ لیتے ہیں، اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیتے ہیں، اس محبت کو تلاش کرتے ہیں۔وہ جب چھوٹا سا تھا تب بھی ایسے ہی محبت سے ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔پھر اس بچے کو پاس بٹھانا چاہتے ہیں، کہیں گے بیٹھ جاؤ اور آپ دیکھیں جس کی ہڈیاں گھل گئیں اپنے بچے کو جوان کرنے کے لیے، اس جوان کے پاس اب ان والدین کے لیے کوئی وقت نہیں ہے۔اسے یہ بھی بھول جاتا ہے میں نے بھی اسی مقام پر پہنچنا ہے۔اسے احساس نہیں رہتا کہ یہ سب سے زیادہ میرے لیے شفیق، محبت کرنے والی ہستیاں ہیں۔انہوں نے مجھے یہاں تک پہنچانے میں کتنی مدد کی! مجھ سے کتنی محبت کی! میرا کتنا خیال رکھا!

ذرا بچپن پر نظر ڈال کے تو دیکھیں! کبھی بچہ اپنا لنچ باکس گھر بھول جائے تو ماں کو چین نہیں آتا، یہی سوچتی رہتی ہے کہ آج میرے بچے کے ساتھ کیا بنے گی؟ آج وہ کیا کھائے گا؟ حالانکہ وہ ناشتہ کر کے گیا، دوپہر کا کھانا اس نے گھر آ کے کھانا ہے لیکن ماں کی جان پہ بنی ہوئی ہے۔میں اپنے بچپن کو جب سوچتی ہوں کہ مجھے ناشتہ کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ایک آدھ گھونٹ چائے کا لے لیا یا کسی اور چیز کا اور سکول چلے گئے۔عین دوپہر کے وقت امی کی طرف سے لنچ آ جاتا تھا۔اتنا عجیب لگتا تھا اور ٹیچرز روز کہتی تھیں کہ آپ کی امی آپ سے اتنا پیار کرتی

ہیں کہ پیچھے سے fresh چیزیں بنا کر بھیجتی ہیں، آپ صبح ہی یہ لنچ لے آیا کریں۔ مجھے آج بھی وہ لنچ باکس یاد ہے امی بہت خوب صورت برتنوں میں کوئی کھانے کی چیز بھجوایا کرتی تھیں۔ وہ محبت بھولتی نہیں، آج بھی اس ماں کی آنکھوں میں ویسی ہی محبت دیکھتے ہیں۔ آج بھی اس ماں کو دیکھتے ہیں، اُن کا جی یہ چاہتا ہے کہ اپنے ہاتھ سے کچھ بنا کر کھلا دوں، کوئی ایسا کام کر دوں کہ ان کی آنکھوں میں میرے لیے محبت آجائے۔

آپ ہر ماں کو دیکھئے! کیسے اپنے بچے کے لیے ایک ایک لمحے کوشاں رہتی ہے! اس کے کھانے، اس کے لباس، اس کی صحت، اس کی جذباتی حالت ایک ایک بات کے بارے میں، پھر بہن بھائیوں کے درمیان کوئی چپقلش ہوگئی تو ماں کو فکر ہے کہ میرے کسی بچے کے ساتھ زیادتی نہ ہوجائے، بچوں کے درمیان کیسے صلح صفائی کرواتی ہے!

وہ ماں بوڑھی ہوجائے، وہ باپ بوڑھا ہوجائے، تو وہی بچے ان جھریوں بھرے ہاتھوں سے نفرت کرنے لگیں، اپنی محسن ہستیوں کے لیے وقت ہی نہ نکلے۔ انسان اپنے لیے خوب صورت لباس چاہے اور اپنے والدین کے لیے یہ سوچے کہ ان کو اب کیا ضرورت ہے۔ کس طرح والدین ایک بات کرنے کو ترستے ہیں۔ کوئی بات کرنے کے لیے تیار ہو، ان کے پاس بیٹھنے کے لیے آجائے تو کیسے ان کا چہرہ کھل اٹھتا ہے!

مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آج کے دور کا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ والدین کی نفسیاتی حالت کا، ان کے جذبات واحساسات کا خیال نہیں رکھا جاتا اور اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ اس معاشرے میں والدین کے جذبات واحساسات کا قتلِ عام ہو رہا ہے، خدا فراموش معاشروں میں یہ قتلِ عام ہو تو ہم کہتے ہیں کہ انہیں خدا کی نشانیاں یاد نہیں، خدا کے احکامات کا پتہ نہیں لیکن خدا پرست معاشروں میں والدین کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے؟ ان کے لیے کیسی جگہیں تلاش کی جاتی ہیں؟ جو کمرہ کسی کو پسند نہ آئے، جہاں کوئی سہولت موجود نہ

ہو، وہاں والدین کو ڈال دیا جاتا ہے کہ اب یہ تو بوڑھے ہو گئے۔

جو چیز جتنی نازک ہو جاتی ہے، اتنی زیادہ توجہ چاہتی ہے۔ دیکھیں شیشے کے گلاس کی care دوسرے کسی دھات کے بنے ہوئے برتن کے مقابلے میں زیادہ کی جاتی ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ہو تو کانچ کی بنی ہوئی چیزوں، ٹوٹنے والی چیزوں کے اوپر لکھا جاتا ہے 'Glass____ Handle with care'۔ بڑھاپے میں بھی تو انسان نازک ہو جاتا ہے، ان والدین کے لیے کیوں نہ کہیں؟

Handle with care

ان کو محبت چاہیے۔

ان کو توجہ چاہیے۔

ان کو وقت چاہیے۔

ان کو صرف دوا نہیں چاہیے۔

ان کو ویسی توجہ چاہیے جیسی توجہ وہ بچپن میں دیا کرتے تھے۔

ان کو اپنا وہی بچہ چاہیے۔

لیکن وہ بچہ جب بڑا ہو جاتا ہے تو کیسا ہو جاتا ہے؟ وہ والدین کی خدمت میں اپنی جنت کو تلاش نہیں کرتا اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے''۔ [نسائی 3104، ابن ماجہ، حاکم]

اگر جنت تلاش کرنی ہے تو ان قدموں سے تلاش کرو، ان کی خدمت سے تلاش کرو۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا:

مَنْ اَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ ؟

یارسول اللہ ﷺ! ''میرے حسنِ سلوک کا کون سب سے زیادہ حق

دار ہے؟''

قَالَ: اُمُّکَ

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری ماں''۔

قَالَ: ثُمَّ مَنْ ؟

اس نے پوچھا: پھر کون؟

قَالَ: اُمُّکَ

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری ماں''۔

قَالَ: ثُمَّ مَنْ ؟

اس نے پوچھا: پھر کون؟

قَالَ: اَبُوْکَ

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا باپ''۔ (بخاری 5971)

یہ درجہ بندی ہے۔ جس نے دکھ زیادہ اٹھایا، تکلیف زیادہ اٹھائی، محنت زیادہ کی، اس کا درجہ بڑا ہے۔

سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ وَمَنْعًا وَهَاتِ وَوَاْدَ الْبَنَاتِ﴾ [بخاری 5975]

اللہ تعالیٰ نے یقیناً تم پر ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ گاڑ دینا حرام قرار دیا ہے۔''

جو لوگ سؤر کو حرام سمجھتے ہیں، جو خون پینے کو حرام سمجھتے ہیں، جو سود کھانے کو حرام سمجھتے ہیں، جو مردار کو حرام سمجھتے ہیں، وہ ماں کی نافرمانی کو حرام خیال کیوں نہیں کرتے؟ ماں کی

نافرمانی بھی ایسے ہی حرام ہے۔

ایک ہی مقام ہے جہاں پر ماں کی بات نہ مانی جائے تو پکڑ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دے، مثلاً حجاب سے روکے، غیر مردوں کے سامنے آنے کو کہے، حرام کھانے کی ترغیب دے، اللہ تعالیٰ کے راستے پر جانے سے روکے، تب وہ بات نہیں مانی جائے گی۔ ماں اگر خدا کے راستے سے نہیں روکتی تو ایسی صورت میں اس کی خدمت کرنا، اس کی فرماں برداری کرنا ضروری ہے اور اس کی نافرمانی حرام ہے۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی جن میں سے دو باتیں یہ ہیں:

''تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرانا اگر چہ تمہیں مار ڈالا جائے اگر چہ تمہیں مار ڈالا جائے۔''

'ماں باپ کی نافرمانی نہ کرنا اگر چہ وہ تمہیں حکم دیں کہ تم اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کو چھوڑ دو۔' (الترغیب والترھیب)

یعنی ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اور ان کی خدمت گزاری کرنا، یہ ایک انسان کی انسانیت کا ثبوت ہے۔ قرآنِ کریم میں والدین کے حوالے سے ہمیں بتایا گیا کہ آپ نے ان کی کیسے خدمت کرنی ہے اور پھر حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی خدمت کا معیار کیا ہے؟ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق آپ کو حکم دیتے ہیں، ان ہی کی فرماں برداری کے مطابق تو ان کی نافرمانی کرنا حرام ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکساتے ہیں تو ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا ہے اگر چہ خدا کی نافرمانی والا کام نہیں کرنا۔

کچھ اور روایات ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ لَا يَجْزِىْ وَلَدٌ وَالِدًا اِلَّا اَنْ يَّجِدَهٗ مَمْلُوْكًا فَيَشْتَرِيَهٗ فَيُعْتِقَهٗ ﴾ (مسلم: 1510)

''کوئی بیٹا اپنے باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا سوائے اس صورت کے کہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے پھر اس سے خرید کر آزاد کر دے۔''

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عرض کی: ''میں آپ ﷺ کے پاس ہجرت کی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں اور اپنے ماں باپ کو پیچھے روتا ہوا چھوڑ آیا ہوں۔''

رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

﴿ اِرْجِعْ اِلَيْهِمَا فَاَضْحِكْهُمَا كَمَا اَبْكَيْتَهُمَا ﴾

''آپ دونوں کی طرف لوٹ جاؤ، انہیں خوش کرو جیسے انہیں رُلا کر آئے ہو۔'' [ابوداؤد: 2528]

یعنی ان کی طبیعت سیٹ کرو، انہیں مناؤ، پھر آنا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ واپس چلے جاؤ اور پھر دوبارہ ہجرت نہ کرنا، ہجرت کے عمل سے یہاں روکا نہیں ہے۔ خوش کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کو ذہنی طور پر تیار کرو، ان کو فوائد بتاؤ۔ جب وہ راضی ہو جائیں تو پھر ایسا عمل کرو گے تو وہ فائدہ مند ہوگا۔

اسی طرح سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: میں جہاد پر جانے کی خواہش رکھتا ہوں مگر اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہارے ماں باپ میں سے کوئی موجود ہے؟''

اس نے عرض کیا: ''جی ہاں! والدہ موجود ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿فَالْزَمْهَا﴾ ﴿فَـأَبْـلِ اللهَ فِـيْ بِـرِّهَـا فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَأَنْتَ حَاجٌّ وَّمُعْتَمِرٌ وَّمُجَاهِدٌ﴾

''اس کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق بہتر بنالو۔ جب تم ایسے کرلوگے تو تم حاجی بھی ہوگے، عمرہ کرنے والے بھی اور مجاہد بھی''۔

[طبرانی]

یعنی جب تمہارے پاس تمہاری بوڑھی ماں موجود ہے، اس کی خدمت کرنے والا کوئی اور نہیں، پھر جب تم اس کی خدمت کرتے ہو تو وہ تمہارے سارے بڑے اعمال کے برابر ہے، حج، عمرہ، جہاد وغیرہ کے۔

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا کہ میرے نکاح میں ایک عورت ہے اور میری والدہ اسے طلاق دینے کا حکم دیتی ہیں۔ کیا کروں؟ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

''باپ جنت کے درمیان والا دروازہ ہوتا ہے، اب تیری مرضی اسے ضائع کردے یا باقی رکھ لے''۔ [ترمذی:1900]

اس سے مراد یہ تھی کہ اگر ماں راضی نہیں تو بیوی کو طلاق دے دو۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہم پہلے بھی اس پر بات کر چکے کہ جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے پاس سیدنا ابراہیم علیہ السلام گئے تو ان کے پاس ایک ایسی عورت کو پایا جو زبان کی اچھی نہیں تھی آپ علیہ السلام اسے ایک پیغام دے کر چلے آئے کہ اپنی چوکھٹ بدل ڈالو۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام واپس آئے تو ان کو باپ کی بات سمجھ آگئی اور بیوی کو طلاق دے دی۔ والدین کا اختیار اس حد تک ہے کہ اگر وہ ایک خاتون سے خوش نہیں ہیں تو ان کی مرضی کے مطابق اسے چھوڑا جا سکتا ہے۔

اسی طرح سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک

عورت تھی جو مجھے بہت پیاری تھی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (والد) اسے اچھا نہیں جانتے تھے۔ پھر مجھے فرمانے لگے کہ اسے طلاق دے دے۔ میں نے انکار کیا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری بات آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ ''اس عورت کو طلاق دے دو کہ تمہارے والد ایسا حکم دیتے ہیں پھر میں نے (یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے) اسے طلاق دے دی۔ [ترمذی:1189]

اب آپ دیکھئے کہ چہیتی بیوی ہے لیکن باپ نہیں چاہتا تو طلاق دے دینا ہی جنت کا بچا لینا ہے۔ اس سے ہمیں والدین کی خدمت کا پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے کہ بیوی میں کوئی ایسی بات ہو، کوئی ایسی خرابی ہو جسے گھر میں دور کرنے کی کوشش کی گئی ہو لیکن دور نہ ہوئی ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے انسان سے ناانصافی کی کبھی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسا حکم دیں۔ اس بات کو دلیل بنا کر ناانصاف والدین اپنے لیے جنت کے دروازے بند نہ کریں کہ وہ کسی نیک خاتون، کسی نیک لڑکی کو محض اس وجہ سے طلاق دلا دیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بیٹے کی بیوی کو طلاق دلوائی تھی۔ جس وجہ سے طلاق ہوئی تھی اس کو پہلے تلاش کریں اور اپنے آپ کو بھی پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مقام پر لے آئیں، پھر طلاق دلوا دیں تو یہ جو باتیں ہیں والدین کے حقوق کے حوالے سے، ان کو بھی اپنی حد کے اندر رکھنا چاہیے۔

یہاں جو چیز ہم دیکھ رہے ہیں وہ اس حوالے سے ہے کہ جو صالح والدین ہیں وہ کبھی کسی برائی کا حکم نہیں دیتے، ان سے کبھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ غلط کام کا حکم دیں تو یقیناً ایسی خرابی اس خاتون کے اندر ہو گی جس کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کو طلاق دے دیں۔ بہر حال اس سے پتہ چلتا ہے کہ کسی خرابی کی وجہ سے کوئی والدین اگر طلاق دلوانا چاہیں تو طلاق دلوا سکتے ہیں۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

《مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُّمَدَّ لَهُ فِيْ عُمُرِهِ وَيُزَادُ فِيْ رِزْقِهِ فَلْيَبَرَّ وَالِدَيْهِ وَلْيَصِلْ رَحِمَهُ》

''جسے یہ پسند ہو کہ اس کی عمر دراز کی جائے اور اس کے رزق میں برکت ہو اسے چاہیے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرے اور صلہ رحمی سے پیش آئے''۔[مسند احمد:156/3]

اس سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ والدین سے حسنِ سلوک سے دنیا میں بھی انسان کو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

سیدنا معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

《مَنْ بَرَّ وَالِدَيْهِ طُوْبٰى لَهُ زَادَ اللّٰهُ فِيْ عُمُرِهِ》

''جس نے اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کیا اسے مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز فرمائے''۔[مستدرک حاکم 154/4]

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

《لَا يَرُدُّ الْقَضَآءَ اِلَّا الدُّعَآءُ وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ》

''تقدیر کو سوائے دعا کے کوئی عمل ٹال نہیں سکتا اور عمر میں صلہ رحمی کے علاوہ کوئی چیز اضافہ نہیں کر سکتی''۔[ترمذی]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''اس کی ناک خاک آلود ہو! اس کی ناک خاک آلود ہو! اس کی ناک خاک آلود ہو!''

عرض کیا گیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس کی ناک؟''

فرمایا:

《مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَهُ الْكِبَرُ اَوْ اَحَدَهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ

الْجَنَّةَ ﴾

''جس نے اپنے ماں باپ کو پایا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہو سکا۔'' [مسلم:6511]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا آمین، آمین۔ لوگوں نے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جس بندے نے اپنی زندگی میں اپنے والدین میں سے کسی کو بڑھاپے میں پایا اور ان سے تو حسنِ سلوک اور خدمت نہ کرنے کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے''۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی تو میں نے آمین کہا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جو شخص رمضان کا مہینہ پائے، نہ روزے رکھے اور نہ اس کا احترام کرے، پھر مر جائے اور بخشا نہ جائے وہ جہنم میں جائے اور اللہ تعالیٰ اسے رحمت سے دور کر دے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں آمین تو میں نے کہا آمین۔ انہوں نے پھر کہا:

''جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجے وہ دوزخ میں جائے اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کر دے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیے آمین تو اس پر بھی میں نے کہا آمین''۔ [مستدرک حاکم]

اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ والدین کی خدمت کرنا کتنی بڑی بات ہے کہ اگر کوئی

اس کے بغیر ہی مر گیا تو وہ دوزخ میں گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر آمین کہا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمتوں سے دور کر دے۔

سیدنا اُسید بن مالک رضی اللہ عنہ بن ربیعہ سدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بنی سلمہ قبیلے کا ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا:

''کیا میں اپنے ماں باپ سے ان کے انتقال کے بعد بھی حسن سلوک کر سکتا ہوں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، چار حسن سلوک ایسے ہیں جو آپ کر سکتے ہو:

1۔ ان کی جنازے کی نماز۔

2۔ ان کے لیے دعا اور استغفار

3۔ ان کے وعدوں کو پورا کرنا

4۔ وہ صلہ رحمی جو صرف ان کی وجہ سے ہو۔

5۔ ان کے دوستوں کی عزت کرنا۔

[ابوداؤد: 5142]

ابنِ حبان نے آخر میں یہ الفاظ زائد ادا کیے ہیں کہ اس آدمی نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! یہ کتنی پاکیزہ بھلائیاں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان پر عمل کرو''۔ اس سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ والدین سے حسنِ سلوک کا سلسلہ ان کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا۔

ایک آدمی نبی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''میں بہت بڑا گناہ کر بیٹھا ہوں کیا میرے لیے توبہ ہے؟''

فرمایا: ''کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟''

کہا: ”نہیں۔“

آپ ﷺ نے پوچھا ”کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟“

اس نے کہا: ”جی ہاں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا: ”جاؤ اور اس کی خدمت کرو۔“ [ابن حبان]

سیدنا عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ کے راستے میں ایک دیہاتی سے ملاقات ہوگئی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سلام کیا، جس گدھے پر خود سوار تھے اس پر اسے سوار کرلیا اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر اسے دے دیا۔ ابن دینار کہتے ہیں، ہم نے انہیں کہا: اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا فرمائے! یہ دیہاتی کم پر بھی اکتفا کر جاتے ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ ان پر اتنا مہربان ہو رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اس کا باپ میرے والد (یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) کا دوست تھا۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ»

”بہترین بھلائیوں میں سے ہے کہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ محبت رکھنے والوں سے بھی صلہ رحمی کرے“۔ [مسلم: 2552]

یہ ہے اسلام!

یہ رشتوں سے محبت کرنے کا دین ہے۔

یہ محبتوں کا، چاہتوں کا دین ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں مدینۂ طیبہ آیا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے کچھ مال دیا۔ فرمانے لگے: جانتے ہو میں نے تمہیں یہ کیوں دیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ فرمانے لگے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

''جس کو یہ پسند ہو اپنے باپ کے ساتھ اس کی قبر میں صلہ رحمی کرے اسے چاہیے کہ اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرے''۔ (صحیح الجامع:5960)

میرے والد اور تمہارے والد کے درمیان اخوت اور محبت ہوا کرتی تھی۔اس لیے میں نے پسند کیا کہ میں اسے نبھاؤں۔

یہ ہے دین اسلام!

قبر کے اندر بھی والدین کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دینے والا دین۔

جہان سے جانے کے بعد بھی والدین سے حسنِ سلوک کا حکم دینے والا دین۔

یہاں ہم دیکھ رہے تھے ایک دعا کو جو ایک بچہ اپنے والدین کے لیے کرتا ہے جب وہ چالیس برس کا ہو جاتا ہے۔چالیس برس کا ہو جانے کے بعد اسے خیال کس چیز کا ہے؟

﴿ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ ﴾

''اے میرے ربّ! مجھے توفیق دے کہ میں تیرا شکر ادا کروں جو نعمتیں تو نے مجھے دی ہیں اور جو نعمتیں تو نے میرے والدین کو دی ہیں اور میں ایسا نیک عمل کروں جس کی وجہ سے آپ مجھ سے راضی ہو جائیں۔''

اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ والدین سے نیک سلوک ان کی خدمت سے بھی ہو سکتا ہے،ان کے لیے دعائیں کر کے بھی اور ان کے دوستوں سے صلہ رحمی کر کے بھی۔والدین کے لیے دعائیں قرآنِ کریم میں بھی ہمیں سکھائی گئی ہیں جیسے سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 24 کے حوالے سے ہم دیکھتے ہیں:

﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾

''اے میرے ربّ! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی۔''

اسی طرح سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر 41 کی دعا ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾

''اے میرے پروردگار! جس دن اعمال کا احساب ہونے لگے، مجھے میرے والدین اور سب ایمان لانے والوں کو بخش دینا۔''

یہ حسنِ سلوک کا ایک اور انداز ہے، والدین کے لیے حساب کتاب کی آسانی کی دعا مانگنا۔

اسی طرح سورۃ نوح کی آیت نمبر 28 میں یہ دعا ملتی ہے:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا﴾

''اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور جو میرے گھر میں مومن بن کر داخل ہو اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو اور ظالموں کو ہلاکت کے سوا کسی چیز میں نہ بڑھا۔''

اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ جب تک والدین اس جہان میں ہیں تب بھی ان کے لیے دعا کرنا ہے اور جب جہان سے چلے جائیں تب بھی ان کے لیے دعا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو ٹھنڈا رکھے۔ یہ ہے وہ حسنِ سلوک جو اسلام چاہتا ہے کہ ان کے ساتھ نیک سلوک روا رکھا جائے۔

پھر آپ دیکھئے کہ ہر انسان کے ساتھ دو طرف رشتے ہیں، اوپر کی طرف بھی اور نیچے کی

طرف بھی۔ جو حسنِ سلوک کرنے والا ہے وہ اپنی اولاد کے حق میں بھی بہتر ہے، کہتا ہے:

﴿وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾

''اور میرے لیے میری اولاد کی اصلاح کر دے، بلاشبہ میں نے تیری طرف توبہ کی اور یقیناً میں مسلمانوں میں سے ہوں۔''

یہاں ایک خاص بات ہے کہ

والدین کا حق شناس بن کر ایک انسان خدا شناس بنتا ہے۔

یہ ہے والدین کے توسط سے اپنے مالک کا حق پہچاننا۔ دعا کے اتنے حصے میں جو بات نظر آ رہی ہے وہ یہ کہ یہ ایک صالح فطرت رکھنے والا انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کے احسانات کو اپنی ذات پر محسوس کرتا ہے، شکر ادا کرنا چاہتا ہے، توفیق اپنے رب سے مانگتا ہے اور ساتھ ساتھ اپنے والدین پر کیے جانے والے احسانات کو بھی محسوس کرتا ہے اور پھر ایسا کام کرنا چاہتا ہے جس سے ربّ راضی ہو جائے۔

یہ ایک صالح انسان کی سچی تصویر ہے۔ یہ ایک ایسے دل کی دعا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا پورا شعور حاصل ہے۔ اس کو سمجھ ہے کہ میرے ربّ نے مجھے کن نعمتوں سے نوازا ہے اور ان نعمتوں کا سلسلہ اس نے کہاں سے محسوس کرنا شروع کیا؟ پیچھے بہت پیچھے، جب وہ نہیں تھا۔ وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ مجھ پر جو احسانات ہیں ان کے سلسلے کی کڑی میرے والدین سے ملتی ہے۔ والدین کے توسط سے ایک انسان اپنے مالک کا حق پہچاننے لگتا ہے اور اپنے مالک کا اطاعت گزار اور وفا شعار ہو جاتا ہے، اس طرح وہ ابدی رحمتوں کا مستحق ہو سکتا ہے۔

فرمایا:

﴿أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّـَٔاتِهِمْ فِيٓ أَصْحَٰبِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ﴾

یہی لوگ ہیں ہم ان سے سب سے اچھے عمل قبول کرتے ہیں جو انہوں نے کیے اور اُن کی برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں، جنت والوں میں (ہوں گے)، سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے کیا جاتا تھا۔

بات بڑی گہری ہے، چاہے کتنی ہی نمازیں پڑھ لیں، روزے رکھ لیں، ذکر کر لیں، دعائیں مانگ لیں، اگر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک نہیں کیا تو کچھ بھی قبول نہیں ہوگا۔ جتنا جی چاہے صدقہ وخیرات کر لیں، جتنی بڑی بڑی نیکیاں کر لیں، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک پہلی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس طرح کے لوگوں سے، جو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والے اور اپنی اولاد کی اصلاح کرنے والے ہوں، ہم ان کے بہترین اعمال قبول کرتے ہیں۔ پھر ان کا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول بنتا ہے اور ان کی برائیوں سے درگزر کیا جاتا ہے یعنی اگر ان کے اعمال میں چھوٹی موٹی برائیاں ہوں تو ان سے ہم درگزر کرتے ہیں۔

﴿فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ﴾

''یہ جنت والوں میں شامل ہوں گے۔''

اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جزائے اعمال، اعمالِ حسنہ کی بنیاد پر ہے کہ اچھے اعمال ہوں گے تو اچھی جزا ملے گی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہوں کو معاف کر دیا

جاتا ہے۔اچھے اعمال کرنے والوں اور جنت کے اصل مستحقین کے ساتھ یہ لوگ جاملیں گے۔

﴿ وَعْدَ الصِّدْقِ ﴾

''سچا وعدہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے یقین کرلیں۔

﴿الَّذِیْ کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ﴾

''اس سچے وعدے کے مطابق جو ان سے کیا جاتا رہا ہے''۔

یعنی یہ وعدہ کیا تو دنیا میں گیا ہے لیکن پورا آخرت میں ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرتا۔

یہ ایک طرح کا کردار ہے جو ہم نے دیکھا لیکن انسانوں کا ایک چہرہ نہیں ہوتا، ایک طرح کے لوگ دنیا میں نہیں ہوتے۔والدین تو وہی ہیں لیکن دوسری طرح کے افراد بھی دنیا میں موجود ہیں جو والدین کو اپنی جنت نہیں دوزخ کا ذریعہ بنادیتے ہیں۔ربّ العزت نے فرمایا:

﴿وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ج وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَکَ اٰمِنْ ق صلے اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ج فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴾

اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: ''تم پر افسوس ہے، کیا تم دونوں مجھے یہی دھمکی

دیتے رہتے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا؟ حالانکہ مجھ سے پہلے بھی قومیں گزر چکی ہیں" اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ "تیری بربادی ہو! ایمان لے آ، اللہ تعالیٰ کا وعدہ بلاشبہ سچا ہے۔" تو وہ کہتا ہے: "یہ تو پہلے لوگوں کے فرضی قصوں کے سوا کچھ نہیں۔"

یہ دوسرا کردار ہے کہ والدین مومن اور بیٹا نافرمان ہے۔ سب سے پہلے وہ بیٹا کس چیز کا انکار کرتا ہے؟ والدین کی نیک روش کا، ان کی نیکی کا انکار کرتا ہے اور اس کا رویہ کیسا ہے؟ کرخت، ایک جارح کی طرح قابلِ نفرت انداز میں اپنے والدین سے مخاطب ہوتا ہے اور الفاظ کیا ہیں؟

﴿ اُفٍّ لَّكُمَآ ﴾
"اُف تنگ کر دیا تم نے"۔

یعنی اگر والدین کو کسی نے کہا اف تو یہ والدین کو نہیں کہا، اس نے تو پورے دین کا انکار کر دیا، پورے دین کے مزاج کو خراب کر دیا۔
جو والدین کے ساتھ مخلص نہیں وہ درحقیقت دین دار نہیں ہے۔ جو والدین کا خدمت گزار نہیں، جو والدین کے حقوق ادا نہیں کرتا وہ اپنے سچے دین پر نہیں ہے کیونکہ سچے دین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد دوسرا بڑا حق والدین کا ہے، انسانوں میں سے پہلا اور رب کے بعد دوسرا بڑا حق۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بدنصیب کہتا ہے:

﴿ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ﴾

”کیا تم مجھے یہ خوف دلاتے ہو کہ میں مرنے کے بعد قبر سے نکالا جاؤں گا؟ حالانکہ مجھ سے پہلے بھی نسلیں گزر چکی ہیں“

یعنی وہ چلے گئے ان میں سے تو کوئی ایک بھی واپس نہیں آیا“۔

کتنا محدود نقطۂ نظر ہے! رب نے کب وعدہ کیا کہ جانے والے لوٹ لوٹ کے دنیا میں آئیں گے۔ وہ تو ایک دن ہے، قیامت کا دن، وہ تو حشر کا دن ہوگا جب سب کو قبروں سے اٹھایا جائے گا، وہ تو یوم البعث ہے جس دن اٹھایا جانا ہے تو یہ بات حساب کتاب کا انکار کرنے کے لیے کافی نہیں ہے کہ ان تک تو کوئی اٹھ کر نہیں آیا، جب اٹھایا جائے گا تو ساری حقیقت سامنے آجائے گی۔

والدین جب اس کے منہ سے یہ کفر سنتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں کیونکہ والدین مومن ہیں اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ ہمارا بچہ تو ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا گستاخ ہے، مارے خوف کے کانپ اٹھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے آگے فریاد کرتے ہیں:

﴿وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ﴾

اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ ”تیری بربادی ہو! ایمان لے آ۔

اس فقرے سے والدین کی پریشانی، ان کی الجھن، ان کے اندر کا غم جھلکا پڑتا ہے۔ یہ بچہ نافرمان ہے، بدبخت ہے، کفر پر آمادہ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کسی طرح سے ہمارا بچہ مان جائے۔ دیکھیے دنیا میں اپنے والدین سے زیادہ کوئی کسی کے لیے مخلص نہیں ہو سکتا۔ سب سے اچھا مشورہ والدین دے سکتے ہیں اور صالح والدین کا مشورہ کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں:

﴿ وَيۡلَكَ اٰمِنۡ ۖ إِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾

''تیری خرابی ہو تو ایمان لے آ۔'' ''اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے''۔

لیکن بیٹا انکار پر تلا ہوا ہے، کہتا ہے:

﴿ فَيَقُوۡلُ مَا هٰذَآ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴾

''تو وہ کہتا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں''۔

یہ ایسے لوگوں کی باتیں ہیں جو ہماری سمجھ میں آنے والی نہیں ہیں۔ وہ لوگ گزر گئے، اب نیا دور ہے، اب نئے دور کی باتیں کریں گے تو رب العزت یہ فرماتے ہیں:

﴿ اُولٰٓـئِكَ الَّـذِيۡنَ حَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ فِىۡۤ اُمَمٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا خٰسِرِيۡنَ ﴾

''یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی بات ثابت ہو چکی، جن وانس کے ان گروہوں میں جو ان سے قبل گزر چکے ہیں، یقیناً وہ خسارہ پانے والے تھے۔''

یعنی جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان پر عذاب کا فیصلہ چسپاں ہو چکا۔ جیسے پہلے نیک کام کرنے والے اہلِ جنت میں شامل ہو گئے، اسی طرح یہ لوگ گھاٹے میں رہ جانے والے لوگوں کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔

اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے والدین کی نافرمانی کرنا یوں تو بذاتِ خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔ یہ نافرمانی اگر حق کو قبول کرنے کے معاملے میں کی جائے تو یہ بدرجہ ایک بڑا جرم ہو جاتا ہے۔ جیسے والدین کی فرماں برداری کے حوالے سے ہم نے پہلے دیکھا، ایسے ہی کچھ

احادیث والدین کی نافرمانی کے حوالے سے بھی میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ ماں باپ اگرچہ مشرک ہوں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہیں دیتے تو ان کی فرماں برداری کی جائے گی اور ان سے حسنِ سلوک کیا جائے گا اور یہ کیسا کردار ہے جو ماں باپ سے کہتا ہے اُف تنگ کردیا تم نے۔ پتہ لگتا ہے ناں کہ یہ شخص بنیادی انسانی اخلاقیات سے محروم ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلْکَبَائِرُ : اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْیَمِیْنُ الْغَمُوْسُ﴾

''کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور یمینِ غموس یعنی جھوٹی قسم''۔ [بخاری:6675]

اس حدیث سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے ہے، یہ معاف ہونے والا گناہ نہیں۔

سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

''تین افراد ایسے ہیں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ کرم نہیں فرمائے گا جن میں سے ایک والدین کا نافرمان ہے، دوسرا شرابی اور تیسرا احسان کر کے جتلانے والا۔'' [نسائی]

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

''تین اشخاص جنت میں داخل نہیں ہوسکیں گے یعنی والدین کا نافرمان، بے غیرت دیوث مرد اور مردوں جیسی چال ڈھال دکھانے والی عورت''۔ [بزار]

دونوں روایات سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ والدین کی نافرمانی کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ کرم نہیں کرے گا، انہیں جنت میں داخل نہیں فرمائے گا اور اسی طرح سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، ایسا بڑا گناہ ہے جو معاف ہونے والا نہیں، کبیرہ گناہ جہنم میں لے جانے والے ہیں۔

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ ثَلٰثَةٌ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُمْ صَرْفٌ وَلَا عَدْلًا ﴾

''تین افراد ایسے بدقسمت ہیں جن کی اللہ عزوجل نہ نفلی عبادت قبول کرتا ہے نہ فرض عبادت احسان جتلانے والا، تقدیرِ الٰہی کو جھٹلانے والا اور والدین کا نافرمان''۔ (ابن ابی عاصم، السنۃ، حسن)

والدین کے نافرمان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا درجہ ہے کہ اس کی نہ کوئی فرض عبادت قبول ہوتی ہے نہ نفل۔ اس کا مطلب ہے کہ اس نے اپنی جنت کھودی، باوجود عبادتوں کے اس نے اپنی دوزخ کا انتظام کرلیا۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ دونوں تیری جنت ہیں یا دوزخ ہیں۔''

والدین کی نافرمانی سے انسان کیسے دوزخ تک جا پہنچتا ہے!

اسی طرح سے سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سب گناہوں میں سے جس کی سزا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے روزِ قیامت تک کے لیے مؤخر کردیتا ہے دنیا میں سزا نہیں دیتا ہے سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے۔ اس کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ اسی زندگی میں مرنے سے پہلے سزا دیتا ہے۔ [طبرانی، حاکم]

جس نے ماں باپ کی جتنی نافرمانی کی سزا یہیں بھگت لے گا۔

سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے۔ ایک آدمی آ کر عرض کرنے لگا کہ ایک نوجوان عالمِ نزاع میں ہے۔ اس کو کہا جاتا ہے لا الہ الا اللہ پڑھو مگر نہیں پڑھ سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کیا وہ نماز پڑھتا تھا؟'' آنے والا بولا: ''جی ہاں۔'' رسول اللہ ﷺ اٹھ کر چل دیے ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑے۔ آپ ﷺ اس نوجوان کے پاس تشریف لے گئے اور کہا: ''لا الہ الا اللہ'' کہو۔ اس نے عرض کیا: ''میں نہیں کہہ سکتا۔'' فرمایا ''کیا وجہ ہے؟'' کسی نے عرض کیا: كَانَ يَعُقُّ وَالِدَتَهُ ''یہ اپنی والدہ کی نافرمانی کرتا تھا''۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا اس کی والدہ زندہ ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا: ''جی ہاں''۔ فرمایا: ''اسے بلا لاؤ''۔ والدہ کو بلایا گیا وہ حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تمہارا بیٹا ہے؟'' اس نے عرض کیا: ''جی ہاں۔'' ارشاد فرمایا: ''تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر بہت بڑی آگ بھڑکائی جائے اور تمہیں کہا جائے کہ اگر تم اس کی سفارش کرو گی تو اس کو ہم چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو آگ میں جلا ڈالیں گے۔ کیا تم اس کی سفارش کرو گی یا جل جانے دو گی؟'' اس کی ماں عرض کرنے لگی: ''یا رسول اللہ ﷺ! تب تو میں سفارش کروں گی۔'' ارشاد فرمایا: ''پھر اللہ تعالیٰ کو اور مجھے گواہ بنا کر کہو کہ تم اس پر راضی ہو۔'' عرض کرنے لگی:

﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُشْهِدُكَ وَ اُشْهِدُ رَسُوْلَكَ رَضِيْتُ عَنِ ابْنِیْ ﴾

''یا اللہ! میں تجھے اور تیرے رسول کو گواہ بناتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہو گئی ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکے سے کہا: ''اے لڑکے! کہو:

﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

نوجوان نے یہ الفاظ کہہ دیے تو نبی ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْقَضَهُ بِیْ مِنَ النَّارِ ﴾

''تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے میرے وسیلے سے اس نوجوان کو دوزخ سے بچالیا۔'' [طبرانی، احمد]

اس طرح سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ والدین کی نافرمانی کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم بدل جاتی ہے، انسان کی فرض عبادات اور نوافل قبول نہیں ہوتے اور والدین کی نافرمانی کی وجہ سے انسان کے لیے آگ مقدر کردی جاتی ہے اور دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دلوادیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: دیکھو یہ دو طرح کے گروہ ہیں:

﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾

اور ہر ایک کے لیے درجات ہوں گے ان کے اعمال کے لحاظ سے جو انہوں نے کیے اور تاکہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

یہ دونوں گروہ کون سے ہیں؟

ایک گروہ ہے جو والدین کا فرماں بردار اور اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہے، نیک عمل کرنے والا ہے۔ ہر ایک فرد کا اپنا اپنا مقام ہے، اپنی اپنی کمائی ہے، ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا صلہ ملنا ہے۔ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴾

یہی لوگ ہیں ہم ان سے سب سے اچھے عمل قبول کرتے ہیں جو انہوں نے کیے اور

اُن کی برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں، جنت والوں میں (ہوں گے)، سچے وعدہ کے مطابق جوان سے کیا جاتا تھا۔

دوسرے کردار پر کیا تبصرہ ہے؟

﴿اُولٰٓـئِکَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ط اِنَّھُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ﴾

یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی بات ثابت ہو چکی، جن وانس کے ان گروہوں میں جوان سے قبل گزر چکے ہیں، یقیناً وہ خسارہ پانے والے تھے۔

پھر ان دونوں گروہوں پر تبصرہ کیا ہے:

﴿وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ج وَلِیُوَفِّیَھُمْ اَعْمَالَھُمْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾

اور ہر ایک کے لیے درجات ہوں گے ان کے اعمال کے لحاظ سے جوانہوں نے کیے اور تاکہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

یہ دو کردار ہیں جو ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں، دونوں کا انجام ہم کو پتہ چلا۔ اب یہ اپنا فیصلہ ہے کہ ہم نے خدا پرستی، والدین کی احسان شناسی، عملِ صالح کا راستہ اختیار کرنا ہے یا خدا فراموشی، والدین کی حق ناشناسی اور اعمالِ سیئہ کا راستہ اختیار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: دیکھو دونوں گروہوں کے اپنے اپنے درجات ہیں، فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے لیکن کچھ اور باتیں بھی ذہن میں رکھو کہ معاملہ صرف دنیا کا نہیں ہے۔

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ط اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ج فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ (٢٠)﴾

''اور جس دن کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، تم اپنی نیکیاں اپنی دنیا کی زندگی میں لے چکے اور ان سے فائدہ اُٹھا چکے، چنانچہ آج تمہیں توہین کے عذاب کا بدلہ دیا جائے گا اس وجہ سے کہ تم ناحق زمین میں تکبر کیا کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔''

قیامت کا منظر ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا سے اٹھا کر قیامت کے منظر میں لے جا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ آج جس چیز کا تم انکار کرتے ہو دیکھو وہ وقت آنے والا ہے اور دیکھنے والا گہرے غور و فکر میں ڈوب جاتا ہے۔ آگ ہے، آگ میں ڈالے جانے کا منظر ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ دیکھو تم اپنے حصے کی نعمتیں دنیا میں ختم کر چکے، ان کا لطف تم نے اٹھا لیا، دنیا میں بہت پاکیزہ چیزیں تمہیں دی گئی تھیں، تم نے عیش و عشرت میں لٹا دیا، تم نے سب کچھ ہی چر چگ لیا جیسے چڑیاں اور جانور چر چگ لیتے ہیں، کچھ بھی آخرت کے لیے نہ چھوڑا۔ آگ کے سامنے کھڑا ہوا انسان سوچتا ہے، پچھتاتا ہے، حسرت محسوس کرتا ہے لیکن کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھو آج تمہارے پاس کل کے لیے بچانے کو بہت کچھ ہے۔ اس دنیا میں طیبات اللہ تعالیٰ نے عطا کیں، آخرت کے لیے بھی بچا لو۔ تم اس زندگی کو طویل سمجھتے ہو، اچانک تمہیں پتہ لگے گا ایک ہی جست میں کہاں جا پہنچو گے۔

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ﴾

''اس دن جب وہ آگ پر پیش کیے جائیں گے جنہوں نے انکار کیا۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پھر پچھتاؤ گے، اس لیے آج سوچ لو، آج آخرت کو بنالو۔ فردِ جرم عائد کی جارہی ہے، چارج شیٹ، جلدی سے ایک حکم دیا جارہا ہے۔ عدالت میں جیسے جج کا آخری فیصلہ ہوتا ہے اسی طرح سے آخری فیصلہ آرہا ہے اور وہ کیا ہے؟

﴿فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ﴾

اب جو تکبر تم زمین میں کسی حق کے بغیر کرتے رہے اور جو نافرمانیاں تم نے کیں اُن کی پاداش میں آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ اس عذاب کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیتا ہے کہ آج اپنی زندگی کی اصلاح کرلو۔ اس دنیا میں جو شخص بھی تکبر کرتا ہے، ناحق کرتا ہے۔ تکبر ہی کی وجہ سے انسان فسق و فجور کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر آج یہ راستہ اختیار کیا تو یاد رکھنا پھر کل آگ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے اور کل بھی تمہارے لیے کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔ جو لوگ اپنی دنیا کی طیّبات کے لیے آخرت کی طیّبات کو نظر انداز کرنے والے ہیں وہی لوگ آخرت میں ذلّت آمیز عذاب سے دوچار ہونے والے ہیں، یہ انجام ہے آخرت کا۔

دنیا میں انسان آخرت کی طیّبات کو قبول کیوں نہیں کرنا چاہتا؟

وہ اپنی مصلحتوں اور دنیا کے مفادات کی وجہ سے اپنی دنیا کو ترجیح دیتا ہے اور آخرت کو بھول جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ دیکھ لو انجام تمہارے سامنے ہے، فیصلے کی

ڈور تمہارے ہاتھ میں ہے، اختیار تمہارا ہے، اہانت آمیز عذاب تمہارے سامنے ہے۔ اب جو چاہو کر سکتے ہو، اگر چاہو تو خدا خوفی پر آمادہ ہو جاؤ اور اپنی جنت محفوظ کر لو اور چاہو تو دنیا داری کرتے دوزخ میں چلے جاؤ۔

لیکچر کے بعد کیے جانے والے سوالات اور ان کے جوابات

سوال: ان عورتوں کے لیے کیا حکم ہے جو اپنی ماؤں کو چھوڑ کر شادی کر کے چلی جاتی ہیں۔ پھر بچے ہو جاتے ہیں تو وہاں گم ہو جاتی ہیں اور اگر وہ اپنی ماں کو ساتھ رکھنا چاہیں تو شوہر اور سسرال والے نہیں مانتے۔99% یہ کہتے ہیں کہ تمہارے بھائی کیوں نہیں رکھتے، بہوئیں کیوں نہیں رکھتیں تو ان کو کتنا گناہ ہوگا جن کے سامنے ان کی مائیں رُل جاتی ہیں؟

جواب: جتنا کسی کا جرم بڑا ہوتا جاتا ہے اتنا وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں بھی زیادہ ہوتا ہے۔ انسانوں کے حقوق تو انسان ہی معاف کر سکتے ہیں اور جن لوگوں نے اپنے گھروں کو چھوڑ دیا۔ گھروں کو چھوڑنے سے دو باتیں میری سمجھ میں آ رہی ہیں: ایک تو یہ کہ عام طور پر جب شادی ہو جائے تو گھر چھوڑ دینا، یہ بات فرق ہے لیکن وہ لڑکیاں بھی ہیں جو گھروں کو چھوڑ کر والدین کو اتنا بڑا دکھ دے کر چلی جاتی ہیں، کسی طور ان کی بچت نہیں ہے کیونکہ نہ ان کی فرض نماز قبول ہوگی نہ نوافل۔ والدین کے آگے جھک کے رہنے کا ہی درجہ ہے۔

دوسری بات جو آپ کہہ رہی ہیں کہ اپنے بچوں میں گم ہو جاتی ہیں، جتنا ممکن ہو اپنی طرف سے کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ بعض اوقات والدین دور رہتے ہیں اور آپ زیادہ وقت نہیں دے سکتے تو کم از کم فون پر بات تو ہو ہی سکتی ہے۔ اسی طرح دور رہتے ہوئے بھی ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔ جیسے ان کی بیماری ہے، ان کے دکھ سکھ ہیں، ان کے دیگر مسائل ہیں تو ان کو حل کیا جا سکتا ہے۔ کبھی موقع ملے تو والدین کو گھر پر بھی لانا چاہیے، اپنے

گھر پر لا کر بھی خدمت کرنی چاہیے لیکن عام طور پر بزرگ اپنی جگہ، اپنا گھر چھوڑنا نہیں چاہتے تو انہیں جہاں خوشی نصیب ہوتی ہو جہاں وہ رہنا چاہتے ہوں ان پر جبر نہیں کرنا چاہیے۔

سوال: اگر والدین کے رشتہ داروں سے نفرت ہو جائے تو کیا کیا جائے؟

جواب: اس نفرت کو دور کرنا چاہیے۔

سوال: ماں باپ کے بھائی یا بہن کے لیے دل میں نفرت پیدا ہو گئی ہے لیکن پھر بھی کہا جاتا ہے کہ ان سے ملو تو کیا کریں؟

جواب: ملنا تو چاہیے، نفرت کو ختم کریں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں نفرتوں کو ختم کرنے کا بہت اجر ہے۔ ان کا قصور تو ہوتا ہے لیکن اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

"میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے جس میں سے ایک یہ ہے کہ "جو مجھے محروم کرے میں اسے عطا کروں۔"

یعنی عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ کسی کے مالی مفاد پر زد پڑی یا کسی نے عزت میں کمی کی تو انسان ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ کسی نے اگر میرے حق کا خیال نہیں رکھا تو مجھے اس کے حق کا خیال رکھنا ہے۔ جو حق کا خیال رکھنے والے لوگ ہیں وہ جُڑ جاتے ہیں۔

سوال: والدین اگر حیات نہ ہوں تو کیا ان کے لیے نوافل پڑھے جا سکتے ہیں یا یہ کہ صرف مغفرت کی دعا اور صدقہ ہی کر سکتے ہیں؟

جواب: نبی ﷺ نے کبھی نوافل نہیں پڑھے نہ آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی۔ ہمیں

جو طریقۂ کار ملتا ہے وہ یہی کہ

☆ان کی مغفرت کے لیے دعا کریں۔

☆صدقۂ جاریہ کے کام کریں۔

☆ان کے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کریں۔

جو کام شریعت سے ملتے ہیں وہی کرنے چاہئیں، اپنی طرف سے الگ راستے نہیں نکالنے چاہئیں۔ اس کا اصول یہی ہے کہ صدقۂ جاریہ اور ایصالِ ثواب کے لیے جو کام آپ کسی کی زندگی میں کر سکتے ہیں وہ اس کی وفات کے بعد بھی کر سکتے ہیں۔

کیا آپ کسی کی زندگی میں اس کے لیے نمازیں نوافل پڑھ سکتے ہیں؟۔۔۔نہیں۔

کیا اس کے لیے آپ قرآن پڑھ سکتے ہیں؟۔۔۔۔۔نہیں۔

کیا اس کی زندگی میں اس کے لیے مال خرچ کر سکتے ہیں؟۔۔۔جی ہاں۔

والدین کی طرف سے صدقات کیے جا سکتے ہیں، ان کی طرف سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

اسی طرح کیا کسی کی زندگی میں اس کے لیے حج کیا جا سکتا ہے؟۔۔۔جی ہاں۔

کوئی بیمار ہو تو حجِ بدل کیا جا سکتا ہے تو زندگی میں کسی کے لیے جو کام کیے جا سکتے ہیں وہ اس کی وفات کے بعد بھی کیے جا سکتے ہیں۔

سوال: کوئی ایسا ہوتا ہے کہ نہ والدین کا حق ادا کرتا ہے نہ اولاد کا لیکن اس کے مال میں اتنی وسعت ہوتی ہے اور وہ نمازیں بھی ساری پڑھتا ہے اور تسبیح بھی کرتا ہے تو ایسا کیوں

ہوتا ہے؟

جواب: اس میں کچھ اور وجوہات بھی ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ اگر صلہ رحمی کرتے تو کئی گنا زیادہ رزق ہوتا۔ یہ کیسے پتہ چل گیا کہ یہی اضافہ ہے۔ کیا اضافے کی کوئی حد مقرر ہوگئی؟ باقی جہاں تک کسی کی حق ناشناسی کی بات ہے، بعض اوقات مجھے ایسے لگتا ہے کہ فیملیز میں کسی شخص کو صرف پراپیگنڈہ کر کر کے ایسا بنا دیا جاتا ہے مثلاً اس کو جوا تنا رزق ملتا ہے تو وہ اسے کہاں خرچ کرتا ہے؟ ان ہی بیوی بچوں پر خرچ کرتا ہے، ان ہی ماں باپ پر، ان ہی لوگوں پر خرچ ہوتا ہے پھر وہی ناشکری کرتے ہیں اور آگے سے تسلیم بھی نہیں کرتے۔

سوال: دراصل ان کا گھر والوں سے رویہ ہی اچھا نہیں ہوتا؟

جواب: کوئی وجہ ہوگی رویہ اچھا نہ ہونے کی۔ بعض اوقات انسان زِچ ہو جاتا ہے، تنگ ہو جاتا ہے، اس کے باوجود ان کا حسنِ سلوک ہے کہ پھر بھی کما کر ان بچوں کو کھلاتے ہیں جو ان کے بارے میں اچھا نقطۂ نظر نہیں رکھتے اور اس بیوی کو کھلاتے ہیں جو ان کے بارے میں اپنے بچوں کے اندر غلط چیزیں ڈالتی ہے۔ قصور اس بیوی کا ہے جس نے اپنے بچوں کو غلط سکھایا، ان کو باپ کے خلاف بھر دیا، رشتے توڑ دیے۔

میں اصل حقیقت تو نہیں جانتی لیکن ایک انسان اگر اپنے فرائض پورے کر رہا ہے، پھر اس کے گھر میں اس کے خلاف ایک فضا بنی ہوئی ہے تو وہ عورت مجرم ہے جس نے بچوں کو خلاف کیا۔ جو اپنے شوہر کے ساتھ خود بنا کے نہیں رکھتی لیکن شوہر اس کے باوجود حسنِ سلوک کر رہا ہے، کما کے دیتا ہے، خون پسینہ ایک کرتا ہے، اپنی محنت کی کمائی، اپنی ہڈیوں کی کمائی اپنے بچوں کو کھلاتا ہے پھر بھی اس سے بچے راضی نہ ہوں

تو یہ ظلم والی بات ہے۔

سوال: وہ اگر بچوں کے سامنے بیوی کے ساتھ ایسا سلوک کریں؟

جواب: یہ میاں بیوی کا آپس کا معاملہ ہے۔ بچوں کو تو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس میں مداخلت کریں۔ وہ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ایسی بات نہ کریں، بڑی عزت واحترام کے ساتھ۔ اب آپ کو کیا معلوم کہ بیوی ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے۔ مثلاً ایک بچی نے مجھے بتایا کہ میرا باپ میری ماں کے ساتھ بہت برا سلوک کرتا ہے۔ میں نے کہا باپ کماتا ہے۔ کہتی ہے ہاں۔ میں نے کہا گھر ہے؟ کہتی ہے ہاں۔ میں نے کہا ماں کماتی ہے؟ کہتی ہے نہیں۔ میں نے کہا اچھا اب مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے والد کیا کرتے ہیں؟ کہتی ہے کہ موڈ آف رکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ پھر موڈ آف رکھنے کی وجہ جا کے پوچھو کیونکہ موڈ آف کرنے کی تو اور بھی بیسیوں وجوہات ہو سکتی ہیں۔ مجھے قصور تمہارا اور تمہاری ماں کا دکھائی دیتا ہے۔ کہتی ہے کیوں؟ میری ماں تو اتنی اچھی ہے۔ میں نے کہا تمہاری ماں نے تمہیں تمہارے باپ کے خلاف کر دیا ہے۔ تمہارے باپ نے آج تک تمہارے ساتھ زیادتی کی؟ کہتی ہے: نہیں۔ میں نے کہا: تمہیں برا بھلا کہا؟ کہتی ہے: نہیں لیکن میری ماں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ میں نے کہا: ماں کو برا بھلا کہنے کے اور اسباب ہو سکتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ان کا آپس میں سلوک کیسا ہے؟ میں نے ان کی نجی زندگی کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ ان کی والدہ شروع ہی سے اپنے شوہر کا حق ادا نہیں کرتی رہی یعنی انہیں حقِ زوجیت نہیں دیا، ہمیشہ اس کو ٹھکراتی رہی، یعنی اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ وقت گزارنا چاہتا ہوں تو بیوی نے انکار کر دیا اور ہر بار یہی انکار رہا، اب میاں کا موڈ

بھی آف نہ ہو۔اس عورت پر تو خدا کے فرشتوں کی لعنت ہے جو اپنے شوہر کو وقت نہیں دیتی تو یہ اندر کی باتیں بچوں کو پتہ نہیں چلتیں جس کی وجہ سے بیویاں یا شوہر ناراض ہو جاتے ہیں لہٰذا اصل حقیقت کی کھوج لگانی چاہیے۔

حق پرست انسان وہ ہے جو کسی رشتہ داری کی بنیاد پر نہیں، حق کی بنیاد پر فیصلے کرتا ہے کہ درست کون ہے اور غلط کون؟ حق دیکھو بیٹا۔ان کے آپس کے حقوق میں بچوں کا دخل نہیں ہے ورنہ ایک انسان کبھی اپنے بچوں اور بیوی کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہیں کرتا۔آپ اگر ایک فیملی کو سپورٹ کرنا چاہو، ایک مہینہ کرو گے، دو مہینے کرو گے، آپ کے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے کہ کمایا کیسے جاتا ہے؟ پھر پتہ لگے گا کہ ہاں واقعی وہ شخص ظالم ہے یا مظلوم ہے، پتہ چلے گا وہی سب سے زیادہ مظلوم ہے تو اس طرح اپنے ماں باپ کے بارے میں کبھی نہیں سوچا کرتے، چاہے ماں نے ذہن خراب کیا ہو یا باپ نے خراب کیا ہو، ہر رشتے کا اپنا اپنا حق ہے اور صلہ رحمی کی کوشش کرنی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

سوال: ابھی یہ بات ہوئی ہے کہ اگر لڑکی کی شادی ہو جائے تو جس حد تک ممکن ہے اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہیے لیکن اگر Situation ایسی ہو جائے کہ والدین بیمار ہیں اور شوہر کچھ عرصہ کے لیے ماں کی خدمت کے لیے جانے کی اجازت نہیں دے رہا تو کیا کرنا چاہیے؟ کس کی بات ماننی چاہیے؟

جواب: شوہر کو منانا چاہیے، ناراض کر کے نہیں جانا چاہیے۔سارے رشتے اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں۔شادی کے بعد شوہر کا جو حق ہے وہ اپنی جگہ پر لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ماں کے پاس نہ جائے۔اسے چاہیے کہ شوہر کو منائے، اس کو احساس دلائے کہ یہ

میرا فرض ہے اور آپ کے ساتھ رشتے کی وجہ سے میرا یہ فرض ختم نہیں ہو جاتا۔ ہماری سوسائٹی میں عجیب بات ہے کہ شادی کے بعد سمجھ لیا جاتا ہے کہ اب گئی لڑکی، اب اس کے کوئی فرائض نہیں رہ گئے، ایک عجیب ہی بات ہے جو سینہ بہ سینہ دوسروں تک منتقل ہوئی ہے۔

سوال: گر کسی کے والدین فوت ہو گئے اور اس کی پرورش اس کی تائی اماں نے کی تو کیا تائی اماں سے بھی ماں والا حسنِ سلوک کیا جائے گا؟ ماں کی طرح اس کی خدمت کی جائے گی؟

جواب: کیوں نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دائی اماں کے ساتھ، جس نے دودھ پلایا تھا، کس طرح سے حسنِ سلوک کیا؟ اپنی چادر بچھادی تھی اس کے لیے حالانکہ وہ کافر عورت تھی اور آپ ﷺ نے ان کی نسلوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کیا تھا، ان کے بچوں کے ساتھ بھی اور ان کے شوہر کے ساتھ بھی۔ جہاں کہیں کوئی مل جاتا تو آپ ﷺ ساری باتوں کو بھلا کر ان کی دل جوئی میں مصروف ہو جاتے۔

تائی اماں ہو، خالہ ہو، پھوپھی ہو یا کوئی اور، پرورش کرنے والے کا حق بہت ہے۔ سو اس کو اس کا حق دینا چاہیے۔

سوال: اگر بیوی کو شوہر کے والدین پر اعتراض ہے کہ وہ مشترکہ جائیداد میں سے اسے حق نہیں دے رہے لیکن شوہر اس بات کو ماننے کے باوجود اس پر معترض نہیں تو کیا بیوی کا اعتراض ٹھیک ہے؟

جواب: جی نہیں ٹھیک نہیں ہے مشترکہ جائیداد میں سے حقِ وراثت کی تقسیم کی صورت میں مل سکتا ہے اور رواثت کا معاملہ موت کے بعد ہوتا ہے۔

یقین کریں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایسے اعتراضات لوگوں کو مرنے سے پہلے مار دیتے ہیں۔اُن ماں باپ کو دیکھئے جو ابھی تک قبر میں نہیں پہنچے لیکن ان سے کہا جاتا ہے کہ گویا تم تصور کرلو کہ تم قبر میں ہو۔اس لیے اب تم اپنی جائیداد تقسیم کردو حالانکہ ورثہ تو موت کے بعد ہے، پہلے کیوں مانگتے ہیں؟

وہ شوہر اچھا ہے جو اپنے والدین پر اعتراض نہیں کرتا اور بیوی غلطی پر ہے۔ پہلے تو کوئی حق ہے ہی نہیں، وراثت تو موت کے بعد کا حق ہے اور موت کے بعد بھی بیوی کا حق بالکل نہیں ہے۔تب بھی بیوی نہیں کہہ سکتی ،تب بھی وہ بیٹے کا حق ہے۔اس لیے اپنی اس روش پر توبہ کرنی چاہیے۔

سوال: اگر ساری عمر ماں کی نافرمانی کی اور ماں رحم دلی کے جذبے سے معاف کردے تو کیا ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ بھی معاف کردیں گے؟

جواب: جی اور ماں کو دل دُکھنے پر اجر بھی دیں گے ان شاء اللہ ۔

طالبات کے احساسات

طالبہ 1: جس طرح آپ نے کہا کہ بعض مائیں بیٹیوں کو اسلام کے بارے میں روکتی ہیں تو میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ الحمدللہ یہاں پر ہماری مائینڈ سیٹنگ اچھی ہوجاتی ہے لیکن ہم گھر جاکے اپنے والدین سے کچھ نہیں کہتے جس کی وجہ سے بہت فرق آجاتا ہے۔ جو کچھ ہم یہاں پر سیکھتے ہیں جس طرح سے ہماری مائنڈ سیٹنگ ہوتی ہے اگر ہم اپنے والدین کی بھی کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے والدین کے حالات

درست ہو سکتے ہیں۔

استاذہ: بالکل درست بات ہے۔

طالبہ 2: میں بھی ظاہر ہے کہ ایک بیٹی ہوں۔ جب ہم گھر جاتے ہیں تو اپنی تھکاوٹ اتنی ظاہر کرتے ہیں کہ والدین کو ان کا حق نہیں دیتے۔ یہی محسوس کراتے ہیں کہ بوجھ سمجھ کے پڑھ رہے ہیں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ ان کا کوئی قصور نہیں۔ اگر ہم لوگ اپنے رویے کو بہتر بنا کر انہیں ساتھ لے کر چلیں تو الحمدللہ میں نے اپنی عملی زندگی میں دیکھا ہے کہ بہت زیادہ ان کا تعاون مل جاتا ہے۔

استاذہ: بالکل۔ بھلا ماں باپ سے بڑھ کر کون سا رشتہ ہے جو محبت کرتا ہے۔ لڑکیاں چھوٹی چھوٹی باتیں شوہروں کی بتاتی ہیں تو ماں باپ تو ان کے بھی خلاف ہو جاتے ہیں۔

طالبہ 3: آپ نے ایک بار بتایا تھا کہ ایک مومن کی زندگی میں آرام نہیں ہے تو مجھے یہ بات بہت اچھی لگی اور الحمدللہ میں گھر جا کے اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرتی ہوں اور امی جو کام کر رہی ہوتی ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کے ساتھ تھوڑی مدد کراؤں تو وہ خود محسوس کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تم تھک گئی ہو تھوڑا سا آرام کر لو۔ میں امی کے ساتھ کام کر رہی ہوتی ہوں، مدد کر رہی ہوتی ہوں تو انہیں یہ محسوس ہو رہا ہوتا ہے کہ یہ وہاں سے کچھ اچھا سیکھ کر آئی ہے۔

استاذہ: الحمدللہ! یہ بہت پیاری بات کہی آپ نے، جب آپ تعاون کرنے والے بنو گے، حق ادا کرنے والے بنو گے تو دوسرے بھی آپ کے مسائل کو سمجھنا شروع کر دیں گے اور جتنی آپ کو اپنے والدین سے محبت ہے، آپ کے والدین کو اس سے سینکڑوں ہزاروں گنا بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ لاکھوں گنا زیادہ آپ سے محبت ہے۔ ماں کی محبت

کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں لگا سکتا کہ جتنا وہ اپنے بچے کے لیے دل کھلا رکھتی ہے۔

(سی ڈی سے تدوین؛ تعلیم القرآن 2006)

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ج وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

اور ہر ایک کے لیے درجات ہوں گے ان کے اعمال کے لحاظ سے جو انہوں نے کیے اور

تا کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

Al Noor Publications

 www.alnoorpk.com

 sales@alnoorpk.com

 Nighat Hashmi

 Alnoor International

 Nighat Hashmi

 +92 336 4033042